

شرح
دیوان اردوی غالب

موسوم بہ
وجدان تحقیق

حصہ اول مصنفہ

فاکس محمد عبدالواجد المتخلص بہ واجد فارسی مدرس طبری اسکندریہ
علاقہ سرکار نظام ونس رزند حضرت والہ مرحوم و منقولہ

Checked
1987

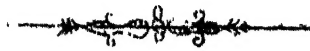
CHECKED 1987

وزیر مطبع فیض بنیمن فخر نظامی نقالی طبع آید

حیدر آباد دکن ۱۹ ستمبر ۱۹۸۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصنیف حضرت مولانا مولوی محمد عبدالعلی والد کنی مرحوم و مغفور



(۲۰۱)
دیوان والہ موسوم بہ اسم تاریخی چہستان بہشت بزبان فارسی ضخامت بیس جزد
کاغذ چکناسفید ساٹھ پونڈ کا چھاپہ صاف خوشخط ٹیٹل تیج زرد رنگ کاغذ پر
سرخی سے چھاپا ہوا تمام دیوان نہایت آٹ تاب کے ساتھ چھپا ہے۔ اس دیوان میں
(۹) قصیدے (۴) مرثیے (۱) خمسہ (۱۳۲) قطعات بدین تفصیل قطعات تاریخی
(۷۶) اور قطعات غیر تاریخی (۵۶) اور (۱۲۵) غزلیات اور (۱۹۳) رباعیات بدین
تفصیل رباعیات تاریخی (۱۰) اور رباعیات غیر تاریخی (۱۸۳) اور چند متفرق شعار
اور تاریخی ہیں۔ اس دیوان میں جملہ (۸۳۳) اشعار مندرج ہیں۔ حضرت والہ
مرحوم و مغفور کا کلام ایرانی پسند ہے صاحب موصوف کا نام اور کلام ایران تاکہ
پہونچا ہے۔ کلام کی فصاحت و بلاغت اور مضمون آفرینی و جدت اور زلفینی اور بندش
عقدگی اور عاشقانہ مذاق اور واعظانہ مطالب درد و غم کا بیان اور خیال کی وسعت و کثرت
اندازہ بیان سے بڑھ کر ہے۔ فارسی کے شایقون اور طالب العلمون کیواسطے نہایت
مفید اور اہل دکن کے لئے سرمایہ ناز و باعث افتخار ہے۔ باوجود اتنی خوبیوں کے قیمت
کتاب صرف ڈیڑھ روپے سکے حالی یاد و روپیہ سکے کلدار۔

انشائی والہ موسوم بہ اسم تاریخی گلستان شتر حصہ اول و دوم بزبان
فارسی۔ پہلے حصہ میں وہ مراسلات و عرایض ہیں جو مولوی غایت الرحمن خان صاحب دہلوی نے محمد

شجر

دیوان اردوی غالب



حصہ اول

مصنف

خاکسار محمد عبدالواجد المتخلص بواجب

فرزند حضرت الہجوم

۱۹۰۲ء عیسوی

ہوالفتح ایسا پہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد الہی و نعت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فحشی و غیبی ہے کہ جب رسالہ و ثبوت صراحت میری کوشش سے مجتمع ہو کر چھپ گیا تو اسی دن سے میرا یہ ارادہ ہو گیا تھا کہ اسکا ایک ضمیمہ لکھ دوں مگر قلت فرصت کی وجہ سے ایک مدت معینہ میں سلسلہ یہ کام کرنا کہیں کہیں کچھ غرض جب فرصت ملی اور جب طبیعت اوپر آگئی لکھتا رہا اور اس کام سے بہترین غافل نہ رہا آخر یہ کام ایک بہت مدید کے بعد خدا سے منعم کے افضال و اکرام سے انجام کو پہنچا اور یہ ضمیمہ میرے ارادے کے موافق کامل اور پورا ہو گیا۔ بعد اختتام کے میں نے اس کے دو نام کہے ایک وجدان تحقیق اور دوسرا توضیح اشارات والہ اس ضمیمہ کے اندر بہت سی مفید باتیں میں نے مندرج کی ہیں جن سے ایک طالب فن اور شائق علم ادب بہت کچھ نفع حاصل کر سکتا ہے۔ اگرچہ شراعی میرا کام نہیں اور نہ میں اسکو اپنے لئے تحریر کیا ہے

بی۔ اسے کلاس کے چند جدید طالب علم جو فارغ التحصیل ہوئے تھے
نظام کالج میں حضرت مولانا والہ مرحوم و معذور سے مرزا غالب دہلوی کا
اردو دیوان جب کی شرح کا یہہ ضمیمہ ہے بطور سرکاری پڑھتے تھے اور سیکرٹری
دقائق و نکات جو مولانا می معذور کی زبان مبارک سے سنتے تھے اپنے دل و
دماغ میں لے لئے تھے مگر افسوس ہے کہ وہ جو اہر گران بہا صفحہ قرطاس پر آئے
اور مولانا سے مرحوم کے سینہ کرامت گنجینہ میں ہی رہ گئے۔ گویا یہہ ہی اردو زبان
کی ایک بد نصیبی تھی۔ با اینہہ مولانا سے معذور نے جقدر لکھا ہے اس کے نتیجہ اور
مفید ہونے میں میرے نزدیک کوئی شبہ نہیں ہے۔ شائقان شعر و سخن اور پیران
مرزا غالب کیلئے غنیمت عظمیٰ و موہبت بکری ہے۔ غیر ازین نیت کہ اس میں اور
بہت سے مضمون بڑی مائیکلی ضرورت تھی یہہ کام دوسرے شارحین سے
ہو سکتا ہے چنانچہ میں نے اس کام کو انجام دیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے مصرع
نہ کہ آمد فرید کرد بران۔ میرا دیوانہ دل و توقیر صراحت کے اختصار کو
نہیں دیکھتا بلکہ اس کے اعتبار کو دیکھتا ہے اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن بہت معتبر
ہے۔ ہر ایک لفظ جو اس محقق کے قلم سے ٹپک گیا ہے میری نظروں میں

جو اہرزواہر کی قیمت رکھتا ہے۔ گوہیت سے حضرات اس کے مخالف ہوں گے
 مگر میرے دیوانے دل نے اس مختصر رسالے کے ساتھ عاشقی کا رجبہ حاصل
 کیا ہے۔ ہمیشہ اُس کے حسن و جمال اعتبار کا جلوہ دیکھا کرتا ہے۔ حقیقت
 حسن اعتبار ہی عجیب شے ہے۔ ابدال اس کے ختمہ ہو نیکو تو ہرگز نیک ہے*
 دیکھئے آخر کیا لکھا ہے حضرت استاد نے۔ چونکہ مرزا صاحب خاص دہلی کے
 باشندے تھے اور دہلی جیسے شہر میں جو ہندوستان کا دوامنی السلطنت
 اور اردو زبان کا دارالعیار رہا ہے اُن کی استاد سی کا ڈنکا بجایا ہے لہذا
 میری رائے میں مرزا صاحب کے اردو کلام پر زبان کے متعلق کوئی اعتراض وارد
 ہو نہیں سکتا۔ بلکہ اردو میں زبان کے متعلق مرزا صاحب نے جو کچھ کہا ہے
 سب استدراور مسلم الثبوت ہے۔ اور اُن دہلی والوں کے پاس جو دانشمندی
 مقبر ہے اور وہاں سے تمام ہندوستان میں مسلم ہے۔ ظاہر ہے کہ میرزا غالب
 دہلوی کوئی معمولی شاعر نہیں تھے اردو میں اُن کا شہرہ عالمگیر ہے دہلی میں
 مولانا ذوق کے بعد اُن کا کوئی ہمسر نہوا۔ اس صنیعہ کے اندر میں نے لفظی
 اور مفہومی تحقیق میں کامیابی کے ساتھ بہت کوشش کی ہے اور اس واسطے
 وجدان تحقیق اس کا نام رکھا ہے۔ اور حضرت والہ مرحوم کے اشارات
 کی صراحت اور وضاحت کرنے میں بھی بہت کچھ دقت اٹھائی ہے اور
 اسی لحاظ سے اس کا دوسرا نام توضیح اشارات والہ رکھا ہے۔ غالباً
 حضرت والہ مرحوم جب نظر ثانی کرتے تو بہت سے مضمون اپنی شرح میں
 بڑا دیتے جن سے تمام شرح بالکل عام فہم ہو جاتی۔ میں نے کئی مضمون

اس ضمیمہ کے اندر اسی شرح کو یعنی حضرت والہ مرحوم کی شرح کو اپنا رہبر اور رہنما بنا کر لکھتے ہیں اور اون غیر مکمل نوٹوں کو اچھی طرح سے مکمل کیا ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شرح دیوان غالب کی بنیاد حضرت والہ مرحوم نے ہی اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی ہے۔ حضرت ضنف مرحوم کا انتقال حسین نقیض میں ہو جانے سے شرح غیر مکمل اور ناتمام رہ گئی۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص جو مضمین نہیں کر سکتا۔ چاہے کہ ہر ایک شعر کا مطلب شارح بنفس نفیس تفصیل و تکمیل کے ساتھ بیان کر دے تاکہ دیکھنے والوں کو خوشی و رغور کی حاجت اور زحمت نہ پڑے لہذا میں نے انہیں دونوں سے جب کہ یہ شرح میرے

جدوجہد سے چھپ گئی تھی اسکا ضمیمہ لکھنا شروع کر دیا تھا۔

بنا کے آئینہ دیکھتے ہیں پہلے آئینہ گر نہرو اپنے ہی عیب و ہنر کو دیکھتے ہیں

حضرت قبلگاہی داوستادی مولانا مولوی محمد عبدالعلی التخلص بہ والہ رحمۃ اللہ علیہ و قدس سرہ کی تحقیق اور تدقیق کو کوئی شخص ہے جو نہیں جانتا جن صاحبوں نے حضرت مرحوم سے علم حاصل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک ایک شعر اور ایک ایک مشکل اور پیچیدہ عبارت اور وقت طلب اشکال آمیز مضمون کے حل کرنے اور کہوٹنے کے متعلق اسقدر عمدگی اور صفائی اور تفصیل اور صراحت شرح بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک شرح کے بیان کرنا چار چار اور آٹھ آٹھ روز کی مدت کافی و مکتفی نہوتی تھی اور کوئی دقیقہ باقی نہیں رہتا تھا جسکو بیان نہ کر دین اور خود اس خاکسار نے فارسی کے شعر اور انشائیہ کتابیں حضرت والہ مرحوم سے پڑھی ہیں لہذا اس بات کی

تصدیق کرتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ فی الحقیقت فارسی کے شعر اور انشا کے قائل اور نکات کے بیان کرنے میں حضرت والہ مرحوم کو اعلیٰ درجہ کی دلچسپی و اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل تھا۔ سیکڑوں اشعار حضرت مرحوم کے متحد المضمون یا دہتے کہ بر محل اور بر موقع اپنے شاگردوں کو بتایا کرتے تھے۔ خاک سننے سے مشکل مطالب آسانی ذہن نشین ہو جاتے تھے اور دینی مطالب اور پیرچرہ مضامین کو متعدد پہلوؤں سے اس وقت تک نظر آتا تھا کہ ذہن میں اچھی طرح سے آجائیں بیان فرمایا کرتے تھے۔

میرا یہ بیان اوکی تحقیق معنوی کے متعلق تھا اور تحقیق لفظی تو حضرت مرحوم کے پاس ایک دینی بات تھی اور ان کے کمال کے مقابلہ میں تحقیق لفظی کا نام لینا انکار تہہ گہنا تھا۔ سرآمد مایخ گویان زمین استاد مسلم الثبوت ابن فن عالی منزلت قدسی مرتب صاحب لفظنا ائع المناقب جناب مولوی عبدالحی صاحب المخلص بد وصف مددگار مہتمم بندوبست علاقہ سرکار عالی دام لطفہ نجیب سے فرماتے تھے کہ سکندریا مہ نظامی علیہ الرحمۃ کے کسی ایک شعر کی معنوی تحقیق کے متعلق حضرت والہ مرحوم نے آٹھ ورق لکھے ڈالے تھے اور وہ شرح عموماً ایسی دلکش اور مرغوب طبائع ہوتی تھی کہ حال جناب فردوس مآب مولانا مولوی حیدر علی صاحب مناظر سنی و شیعہ و مصنف شہی الکلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نقل کر لی تھی۔

اگرچہ وہ شرح اس وقت میرے پاس نہیں ہے اور یقیناً حضرت والہ مرحوم کے بہت سے نایاب تحریرات کے ساتھ وہ بھی نہیں معلوم کیا ہو۔ مگر

اسین کوئی شک نہیں کہ فارسی کے درسی اور غیر درسی کتابوں کے ساتھ
 حضرت والہ مرحوم و منفور کو فطرتی نسبت اور قدرتی لگاؤ تھا جو کسی طرح اور
 کسی حالت میں کم نہیں ہوتا تھا۔ دیکھئے عرفی شیرازی غفر اللہ کے
 اس شعر کی شرح کس عہدگی سے تحریر فرماتے ہیں: **س**
 منکہ باشم عقل کل را ناوک اندازاوب مرغ اوصاف از اوج بیان انداختہ
 نزد والہ پیران معنی و ترکیب شعر چنان است کہ در صدر بیت حرف کاف
 متضمن ہر شہادہ استحقاری است چنانکہ خواہ ہا قوط فرمایہ **س**
 منکہ باشم کہ بران خاطر عاظر گذرم لطف ماسیکنی اینکاک درت تاج سرم
 یعنی من در چہ شمار و مقدارم باینکہ راخی گراخی و ضیع ادب از اوج بیان عقل
 کل مرغ اوصاف ترا ہر انداختہ است پس ناوک انداز ادب فاعل انداختہ و اوج
 بیان مفعول فیہ در اسے ماب عقل کل اضافی است متعلق بہ اوج بیان مفعولی
 و منشاء معطیہ مین است کہ این را را مفعولی دانستہ اند و از نادانستگی
 در شہید و مفعول افتادہ اند۔ ناوک انداز ادب کنایہ از صفت حفظ مراتب
 و عقل کل نفس قدسی محمدی صلی اللہ علیہ وسلم و مرغ اوصاف اشارہ بہ حدیث
 (لا احصی ثناء علیک) باشد فقط منقول از انشای والہ حصہ دوم صفحہ (۱۶۵)
 اور دیکھئے مرزا غالب ہلوی مرحوم کتاب خود ہندی میں میر پر غزلی
 کے معنی لکھتے ہیں کہ ایران میں رسم ہے کہ داد خواہ کا غد کے کپڑے
 پہنکر حاکم کے سامنے جاتا ہے جیسے شعلہ دن کو جلاتا یا خون آلودہ
 کپڑا بانس پر لٹکا کر بیجا ناست کلامہ اور حضرت والہ مرحوم توفیق صراحت

میں تحریر فرماتے ہیں کہ فریادیوں کا لباس جو قدیم میں دستور تھا۔ یہ کنایہ
 ہے عجز و بیچارگی و ظلم و زاری سے۔ اب سنئے اس اصطلاح کے
 معنی بیان کرنے میں مرزا صاحب نے جو غلطی کی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ
 کہ مرزا نے فارسی کے قدیم لغات مثل بہار عجم اور برہان قاطع کے دیکھے
 تھے اُن لغات میں اس اصطلاح کے معنی صرف داؤد خواہی کے لکھدئے ہیں
 تو مرزا نے یہ سمجھا ہوگا کہ زمانہ حال میں بھی یہ طریقہ جاری ہے مگر حضرت
 والہ مرحوم نے جو شعر و سخن کے علاوہ تحقیق کے دلدادہ اور عاشق و شیدا
 تھے زمانہ موجودہ کے لغات اور نو تصنیف شدہ کتابوں کو دیکھا تھا لہذا
 حضرت مدوح سے ایسی غلطی نہ ہوئی چنانچہ فرسنگ انجمن آرا می
 ناصری میں میرزا ہدایت مرحوم جو پائے تخت ایران کے امیر الشعراء تھے
 لکھتے ہیں کہ کاغذین جامہ کنایہ از عجز و بیچارگی و ظلم است چنانچہ خواجہ
 حافظ گفتمہ کاغذین جامہ بخونابہ بشویم کہ فلک پر رہنا ایم بسوسے
 علم داد نکرد و رسم بودہ است کہ در ولایت در زمان ظلم جامہ کاغذین
 می پوشیدہ اند و توقیر صراحت میں بعض جگہ نہ الفاظ کے معنی ہیں
 اور نہ اشعار کے معنی ہیں بلکہ لفظوں کے پیچھے کچھ ہند سے لکھے ہوئے
 ہیں جو صرف دور و دراز کے اشارات ہیں جنکو ہر ایک شخص اور مہولی لباقت
 کا آدمی ہرگز نہیں سمجھ سکتا مگر میں نے اُن اشعار کو اس طرح ہندوؤں
 کے ساتھ تشریح میں درج کر دیا تھا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اسوقت تک کسی کو ملی
 شیعہ دیوان غالب کی شائع نہیں ہوئی تھی اور عام طور پر ہر بلاغی

غالب کا کلام ادق مانا جاتا تھا لہذا میں نے یہ سمجھا کہ ان اشاروں اور
ہندسوں سے بھی کچھ نہ کچھ کام نکل آئیگا۔ کچھ نہونے سے تو ان اشاروں کا
ہونا بہتر ہے کیونکہ غور کرنے سے کچھ نہ کچھ معنی نکل آئینگے۔ اسی لحاظ سے
میں نے ایک لفظ کے معنی مل گئے تو ان کو بھی درج کر دیا۔ میری غرض
یہ تھی کہ شرح کا سرمایہ فراہم ہوتا جائے اور جہاں تک ہوسکے دقت اور
اشکال کم ہوتا جائے نہ یہ کہ میں اسکو کامل شرح سمجھتا تھا۔ کہیں میں اسکو کامل
و مکمل شرح نہیں سمجھتا تھا لہذا میری سعی مشکور ہونی چاہئے نہ مورد اعتراض
مرزا غالب ہلوی کے کلام کی دقت کو کون نہیں جانتا اور ان کے اشعار
کے مشکل و دقیق ہونے کو کون نہیں مانتا۔ اسی وقت اور اشکال کی وجہ سے
بعض شعرا ان کے اشعار کو مہمل کہتے ہیں اور یہ قطعہ تو مشہور ہے قطعہ
اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھتے کیا سمجھے مرزا کہنے کا جب ہی اک کہے اور دوسرے سمجھے
کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے مگر انکا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے
خود مرزا نے اسکا جواب یوں دیا ہے ۵ نہ تالیش کی تمنا نہ صلہ کی پروا +
نسب ہی گرمے اشعار میں معنی نسبی + اسمین کوئی شک نہیں کہ مرزا صاحب
بڑے نازک خیال و ردقت پسند تھے + ان کے کلام میں جو نزاکت اور دقت
ہے وہ فی الحقیقت خاقانی اور ظہوری اور بیدل اور جلال اسیر کی دقت
کلامی سے کچھ کم نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کلام عام فہم ہو نہیں سکتا۔ ایسے
کلام کے لئے شرحوں کی اور شارحوں کی ضرورت ہے اگرچہ خاقانی اور
ظہوری اور بیدل اور ناصر علی کے اشعار کی شرحیں موجود ہیں

مگر مرزا کے کلام کی شر حین اب تیار ہو رہی ہیں فی الحقیقت خیال بند و
 کلام شرح کا محتاج ہے برخلاف سلاست پسندوں کے کہ انکا کلام
 عام فہم اور خاص پسند ہوتا ہے خیال بند شعرا کو یہ بات کہان نصیب ہے
 مرزا کے بعض اشعار جو وثوق صراحت میں مندرج نہیں ہیں اور حقیقت
 وہ اشعار شرح طلب ہیں اور کسی نے آج تک اون کی شرح چنانکہ باید
 و شاید نہیں لکھی ہے یا تازہ مضمون میرے ذہن میں آگئے ہیں تو میں
 ویسے اشعار کی شرح ہی لکھ کر اس ضمیمہ کے اندر داخل کی ہے۔ بہر حال ضمیمہ
 کے اندر میں نے سیکڑوں عمدہ اور مفید اور دلکش مطالب مندرج کئے ہیں
 اور ضمیمہ کیا ہے بلحاظ مضامین کی کثرت اور کتاب کی ضخامت کے اصل
 شرح سے بہت بڑا کر ہے۔

جب اس رسالہ کی قدر ہوگی اور یہ رسالہ پبلک میں منظور نظر اور مقبول قلوب
 ہوگا حضور صہا سرتاج ارباب علوم سر حلقہ انصواب فہوم ادیب لادبا استاد الفضل
 سہنشاہ فضل و کمال۔ سرور و سردار علما سے ماضی حال۔ مہربانی علم و ہنر
 قدردان کمال۔ رشک فلاطون۔ غیرت افزا سے ارسطو طالیس۔ عالیجناب
 فیضیاب آنریبل مولوی سید حسین صاحب بلگرامی۔ بی۔ اے۔ الخاطب
 بہ نواب موئن جنگ عمار الدولہ عماد الملک بہادر پریوٹ سکریٹری علمی محضر
 قدیر قدرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی و ناظم تعلیمات حیدر آباد دکن
 دام اقبالہ و اجلالہ اس رسالہ کو اپنے ملاحظہ اقدس و اشرف سے مشرف و ممتاز
 فرمایا شکے اور پسند کرینگے تو یہ خاکسار اس شرح کے دوسرے حصوں کو شایع کریگا

جو فی الحقیقت قابل قدر اور لائق دید ہوں گے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میرزا
 کے دیوان میں بہت سی باتیں شرح طلب اور نازک مطالب فی الحال موجود ہیں
 جو حل نہیں ہوئے اگرچہ ان کے اشعار کی بعض شرحیں لکھی گئی ہیں مگر تاہم بہت
 پاکیزہ مطالب ان شرحوں میں نہیں لکھے گئے اور وثوق صراحت اس شعر
 کے موافق ہے ۛ دران نامہ کان گو ہر سفتہ راندہ بسے گفتنی ۛ سے
 ناگفتہ ماندہ و وثوق صراحت میں بعض جگہ الفاظ کے معنی ہیں اور نہ اشعار کے
 معنی ہیں - صرف کچھ درو دراز کے اشارات لکھے ہوئے ہیں جنکو حضرت مصنف
 مرحوم صراحت کے ساتھ لکھنے والے تھے مگر اجل نے صاحب موصوف کو
 اس قدر فرصت نہ دی ۛ تیری فرصت کے مقابل سے عمر بے برق کو پا بہ خا
 باند تھے ہیں - الحمد للہ تعالیٰ کہ میں نے شرح غیر مکمل کو مکمل کر دیا ہے چون کہ
 حال ہی میں مرزا کے اشعار کی بعض شرحیں شائع ہو گئی ہیں لہذا میرا اس قدر
 نقصان ہوا کہ بعض مضامین متوار وہ و مطالب متحدہ کو اپنی شرح میں نکال لینا پڑا
 تاکہ تہمت سرفہ سے محفوظ رہوں - اس نقصان پر مجھے البتہ افسوس ہوا اس
 شرح میں میں نے بعض ابتدائی باتیں ہی درج کر دی ہیں - ان سے میری
 یہ غرض تھی کہ اطفال مکتب بھی استفادہ ہوں نہ یہ کہ اپنی شرح کو طول دیکر دوسروں
 کی شرح پر فوقیت جتاؤں اور نہ یہ کہ ضخامت بڑھا کر الضریہ خواہ مخواہ مرد آدمی
 کا آلہ صداقت بناؤں - میں نے اس شرح میں کہیں کہیں مرزا کے بعض اشعار پر
 کچھ اعتراضات سے لکھے ہیں ان سے میری غرض نفی و تصدیق یا مرزا کو
 بدنام و رسوا کرنا نہیں ہے بلکہ حقیقت حال کا اظہار منظور تھا اور نہ اس سے

مرزا کی شان گہٹ سکتی ہے کیونکہ جو لوگ مشہور ہو گئے اُن کی شہرت کو کون روک سکتا ہے معزز کوئی فرد بشر باستثناء انبیاء اور رسولان کے غلطی اور سہو اور بیانی سے خالی نہیں ہے انسان مرکب مع الخطاء والنسیان مشہور ہے۔ لہذا حضرات ناظرین سے یہ امید کی جاتی ہے کہ اس پہچان کی تحریر بطور غور دیکھ کر شیوہ عدل و انصاف اختیار کریں گے نہ طریقہ جنگ و جدال جب و ثوق صراحت چمکے شایع ہوئی تو بعض صاحبوں نے مجھ سے یہ پوچھا کہ مولوی صاحب اردو زبان میں شعر کہتے تھے یا نہیں؟ اگرچہ حضرت قبلہ کا ہی مولانا و آلہ مرحوم و مغفور کا فن اور پیشہ فارسی اور فارسی کی شعر و شاعری تھا مگر چونکہ کبھی کبھی اردو زبان میں شعر کہا کرتے تھے لہذا میں نے کہا کہ ہاں۔ چنانچہ صاحب موصوف کے دو تین اردو اشعار جو اس وقت مجھے یاد ہیں یہاں لکھتا ہوں تاکہ یادگار رہیں وہ اشعار یہ ہیں

کیا مقابل ہو تری آنکھوں سے وہ چشم ہے نرگس کو مینا کی نہیں
ہیں ترے حیرت سے جون آئندہ لاکھ دیکھیں پر تماشائی نہیں

دلہ

دل تنگ ہے تنگی بیابان سے کہاں جائے دامن جسے سمجھا تھا گریبان نظر آیا
اس زمین میں لیغے گریبان نظر آیا۔ بیابان نظر آیا اور طوفان نظر آیا میں صاحب موصوف کے اور اشعار بھی ہیں مگر مجھے اس وقت یاد نہیں آتے۔

اس دیباچہ کے آخر میں اتنی بات کا ذکر کرنا نہایت ضرور ہے کہ جو جو دقیقین پیشانی کو زنا اثر علی اور ظہوری اور شوکت اور مرزا جلال اسیر کے خیال بلند نہ

کلام میں موجود ہیں ویسی مشکلیں مگر غالب ہلوی کے تمام دیوان اردو میں جو
فی الحال مطبوع اور موجود ہے پائی نہیں جاتی ہیں مگر یہ بھی اُس میں بعض
اشعار اس قسم کے ہیں جو سرد گرم ہیں۔ اور کچھ بہتہ نہیں چلتا کہ مصنف کا اُن سے
کیا مقصود ہے۔ اور میں نے اُن اشعار کی نسبت جو کچھ لکھنا تھا لکھ دیا
شرح کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا۔ فقط

الراحم خاکار
محمد عبدالواحد عفی عنہ و آقہ

تمام شد دیباچہ

قصیدہ نربان فارسی طبع و مصنف این شرح در مدح اعلیٰ حضرت
قوی شوکت قدر قدرت فریدون فکندر در دارادبان
قیصر شایستم دوران فلاتون زمان حضور پر نور سپہ سالار
منظر الممالک فتح جنگ نربان نواسیہ محبوب علیخان بہادر

نظام الملک اصفیاء آصف سلطان دکن خلیفہ دہلی و دولتہ

ای دلبر گمانه وای شوخ جانتان
حُسن که دل بود یکدم جهان جهان
کردی تو یک نگاه و دلم ریز ریز شد
بوده قوی دلم چون بر زبان جنگجوی
آن دل که بود جلیش و حب عقل و اقل
اکنون بکوه و دشت و بیابان سفر کند
جا داشت دل بر احوال و عشرت بسینم
آرام داشت در برین چون دل خورشید
از درد و دوری توشه پیرا بخورد
بوده است بخیر زغم و غصه پیش ازین
زین جمله جور مانع و جفا مانع کرده
تدبیر کار رفت ز دستم بدان روش
در عشق خویش حال لم کرده تباہ
آن شاه نادار که مشهور گیتی است
فرخنده چهر و نیک نهاد و هنر شناس
هیجا نور و عدل شمار و ستوده کار
جان حکومت و دل عقل و امان ملک

مصعطی

ای طالب بهانه وای یار رازده ان
گوئی که بود بر سر من برق برق مان
تیر تو راست پیک و قضا بود و مکران
لیکن شده بهر تو بهیچ طاقت توان
دیوانه و شوق فراق بدنبال تو ان
آن دل که بود مسکن او باغ و بوستان
آواره اش تو کرده از خانه و مکان
در دست اضطرابش داده عنان
هر چند بوده است دل بنده نوجوان
اکنون برفت تا به ثریا ز دل فغان
دانم ملک بود سر تو را امتحان
گوئی بلامی صعب بدل سخت آسان
کردی نه هیچ خوف ز عدل شهنشاهان
والاتبار فیض رسان حاتم زمان
عالی خیال تازه کلام و ملکوبیان
خورشید دستگاه و سخن فهم و تر زبان
ایمان عدل و راحت خلق و کشف جهان

بکشای چشم را و نظر کن که هر طرف
یابد وجود از پی درگاه شاه ما
و در عدن نسیم گلشن روان بتن
این آب گشت آن شده خون برای چه
روز ازل بحکم قضا و قدر بود
گشته کن خلاص ز تیر سلا و سله
هر کس بسر برد بر ما نشن بامش پیش
و اجد چو مدح شاه نوشته نمی شود
بر پنج بزر اعظم و بر پنج بحسب شور
این دولت این حکومت و این حسن نظام
هم از میان کرمت رب بماند از

فیض عظیم شاه روان است شمس
بود رسن عقیق بعدن گهر کبان
بود چمن شربین گل بنار دان
بنو در جود شاه جو شرمند بجزوگان
خوش قدر بندگان بخواه شد گران
ملک است بچوشتی و تدبیر باد بان
بالجمله شد کن ز وجودش یکی جهان
باری بر آردست و دعا را کشا ز بان
یارب شود حکم و ای ز فضل تو روان
مستحکم از غایت حق باد جاودان
افزون شود قدر و اخواه بندگان

در این چکامه سرحد نو ششم حقیقت است
ای شاعران نیک ندانید داستان

تمام شد نصیده

و ثوق صراحت پر رویوز

نوٹ۔ اب میں چند رویوز جو و ثوق صراحت پر لکھے گئے ہیں ذیل
میں درج کرتا ہوں اور ان رویوز کو درج کرنے سے پیشتر ایک تعزیت

جو عالیجناب بیچ۔ پی ماڈسن صاحب بہادر سابق پرنسپال نظام
کالج نے اس خاکسار کے نام حضرت والہ مرحوم کے انتقال کے بعد ایصال
فرمایا تھا بطور یادگار نقل کرتا ہوں کیونکہ اس تعزیت نامہ سے حضرت
والہ مرحوم کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ تصنیف کا اعتبار مصنف
کے اعتبار سے پیدا ہوتا ہے۔ جو لوگ مصنف کے اعتبار سے ناواقف
ہوتے ہیں وہ جو چاہتے ہیں لکھ جاتے ہیں۔ اور میں اس تعزیت نامہ کو
حضرت والہ مرحوم کے کل تصنیفات کے لئے عمدہ رویو خیال کرتا ہوں
اور اسی لئے اسکو رویوز میں درج کرتا ہوں اور چونکہ رویوز میری درخواست پر
لکھے گئے اور چھپ گئے لہذا ہر قسم کے رویوز خواہ انہیں تعریف ہو یا
ذمت ہو ہر صورت میں انکا یہاں مندرج کرنا لازم ہے فقط

الراستہ

واجد عفی عنہ

تعزیت نامہ منجانب فلاحون زمان اوسطوی دوران
عالیجناب فیضآب بیچ۔ پی ماڈسن صاحب بہادر
سابق صدر مدرس مستہ العالیہ سرکار عالی
وپرنسپال نظام کالج واوستا دا علیحضرت

حضور پر نور سلطان دکن خلد افتد ملکہ -

The Virgin College

نظام کلن
حیدرآباد دکن

Hyderabad Deccan

No. نمبر (۱۲۲)

Dated ۲۸ جون ۱۹۹۲ء

No بذرت

مورخہ ۲۸ جون ۱۹۹۲ء

جناب محمد عبدالواحد صاحب

نہایت افسوس ہے کہ مدرسہ عالیہ ایک مشہور عالم کو ہمیشہ کیلئے
کہو بیٹھا۔ مولوی محمد عبدالعلی صاحب والہ کے انتقال کا صدمہ شاعری
اور ہمہ دانی میں مشہور آفاق اور امور تعلیم و تربیت میں کسبہ شاق تھے
مجھ کو اُس قدر ہے جتنا آپ لوگوں کو ہوگا۔ مولوی صاحب مرحوم کی
عمدہ رائیں اور نیک خدمتیں کہیں فراموش نہیں ہو سکتیں۔ سچ تو
یہ ہے کہ اُن کے جیسا شخص نہ ملنے سے اُن کی جگہ ہمیشہ کے لئے
خالی ہے۔ خدا ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ بخشے۔ آپ کو ملازم
کر آیا کریمہ انما یوفی الصابرین اجرہم لایاخذ حسابہ کو اپنی نصیب العین
رکھے دوسرے متعلقین کی تسکین اور تلافی منسرا میں فقط

H. H. Hodson

بجلی ڈائری (نقل دستخط) پرنسپل

اخبار جریده روزگار مدراس جلد (۲۷) شماره (۲۲)

مطبوعہ یکم جون ۱۹۰۱ء

ہندوستان بھری کی عام ملکی اور قومی اردو زبان جس نے آج کے دن قریب قریب ایک مکمل علمی اور شایستہ زبان کی حیثیت پیدا کر لی ہے اس کا بیج بوئے والا ولی اس خوش آئندہ سرزمین دکن کا بسنے والا تھا۔ جب میں رہنے اور بسنے کا ہمیں یہی آج نہایت ہی بھاری فخر حاصل ہے۔ جو کایہ لگایا ہوا پودا اپنے اصلی باغ سے دور دہلی اور لکھنؤ جیسے مرکز ترقی شہروں کے نزدیک نجش چمنوں میں پھولتا پھلتا رہا اور جنہیں اس بات کا بہت ہی درست اور واقعی فخر رہا ہے کہ ہمارے ہی بالکمال شہر اور اوبانے اس نازک پودے کو سرد مہر زمانہ کی سختیوں سے مرچا ہوا نہ دیا۔

نذر کی خوش گھڑی جس نے دہلی جیسے مرکز ترقی شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس کا بن بنایا نقشہ بالکل ناپیدا بنا دیا۔ خود اردو زبان کے حق میں کچھ کم مصیبت پہونچا نیوالی نہ تھی۔ اور ہر شے شکستہ دل درد میں ڈوبے ہوئے ہی سمجھے جاتے تھے کہ ہندوستان کی قدیم مکمل زبان جب دنیا سے رخصت ہو چکی تو پہر اس نئی نازک زبان کا کیا ٹھکانا ہے جسکی ابھی ابتدائی حالت ہی درست نہونے پائی تھی۔ مگر زمانہ جس نے ہر وقت بالکل حیرت میں مجھنا دینے والے مرقے

پیش کرتے رہنا اپنا فرض منصبی قرار دے لیا ہے۔ دفتراً ایک نیا ورق
 اٹھایا ہے۔ سرسید کی دلکش و موثر آواز نے اردو زبان کے لئے
 ایک بالکل نیا راستہ کھول دیا جو اس سے پہلے بالکل بند تھا اور جہلوت
 سرسید کی تعلیمی کوششوں کے لئے دولتِ آصفیہ نے اپنی
 تائید سے روحِ پیونک ہی اس طرح اردو لٹریچر اور دو شاعری، مہربان
 کے لئے زندہ دل و دکنی اٹھ کھڑے ہوئے جنہیں اردو کی پرداخت کا
 اصلی حق حاصل تھا۔ اور وہ دکن ہی کی سخن سنجی اور فیاضی ہے جس
 آج اردو کو نہ صرف دنیا سے نام اور رخصت ہونے سے بچ لیا بلکہ
 اس کے ایک طویل مدت تک زندہ و برقرار رہنے کے سامان پیدا کر دئے
 وہ دکن ہی ہے جس نے ہمارے اعلیٰ حضرت حضور نظام
 خلد اللہ ملکہ کے عہدِ مہدین اردو زبان کو سرکاری زبان
 قرار دینے سے ایک سیما بھاری فخر اردو کے لئے پیدا کر دیا جس سے
 تمام ہندوستان خالی ہے۔ اردو لٹریچر اپنی اس جلد اور ترقی کو دنیا کی
 ترقی کے لئے جہاد و کفن کے بارِ احسانات میں دبا ہوا ہے ہمیں اپنی
 زبان سے اس کے کہنے کی ضرورت نہیں جب کہ اردو کا مشہور سے مشہور
 اعلیٰ درجہ کا مصنف خوب سمجھتا ہے حیدر آباد نے اس کے ساتھ کسی ہمدردی
 کی ہے۔ اور کس طرح اس کے ساتھ بے منت احسانات کئے اور کیوں کر شوق کی
 باتوں سے اس کی کتابوں کو لیا۔

وہ حیرت انگیز ترقی جو اعلیٰ حضرت حضور نظام کی بدولت علم و ہمت کی

سرمہ شہساز میں نظر آ رہی ہے اور جس سے خود زبان اردو محروم نہیں کہی جاسکتی اور جس کے بارے میں بے تکلف یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ حیدر آباد اور اردو زبان شاید بہت ہی قریب عرصہ میں لازم و ملزوم سمجھے جائینگے اور اسکی ایک معمولی تظہیر یہ کتاب و ثوق صراحت ہے جو اسوقت بغرض ریو یو ہمارے روبرو اور درپیش ہے۔

یہ کتاب مولوی عبدالحی صاحب الہ مرحوم و مغفور کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے مرزا غالب مرحوم کے اُن اشعار کی نسبت جو عام طور پر ایک عقدہ والا متخل خیال کئے جاتے ہیں ضروری چیدہ باتیں درج کی ہیں اور گویا ایک مختصر سی شرح کہی جاسکتی ہے۔

والہ مرحوم کے لایق فرزند مولوی محمد عبد الواجد صاحب نے اس کتاب کو اپنے قابل قدر باپ کی یادگار قائم رکھنے اور شاعری کا ذوق رکھنے والوں کو ایک نیا شغف دینے کی غرض سے چھپوایا ہے۔ کتاب کی چھپائی نہایت عمدہ اور کاغذ اچھا رکھا گیا ہے۔

غالب مرحوم کی شاعری کے متعلق جنکا نام ہندوستان کے ہر اردو خوان کو معلوم ہے۔ ہندوستان کے مشہور ادیب اور مصنف مولانا حالی نے یادگار غالب میں جس عالی خیال کے ساتھ بحث کی ہے اسکی بعد اب پھر کچھ لکھنا بے وقت کار کا لاپنا ہے۔

باقی رہی والہ مرحوم کی شرح والہ مرحوم کی فارسی شاعری اور فن ادب کی تحقیق و کن بھر میں مسلمانی جاتی ہے۔ اُن کے فیض یافتہ

بکثرت ملین گے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ کتاب یادگار غالب کے شائع ہونیکے ایک مدت پیشتر چھپ کر شائع ہو چکی تھی۔ اور گواس وقت متعدد لئیق اشخاص نے اسی مضمون پر کتابیں لکھی ہیں مگر اتفاقاً یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا کہ جقدر ضروری اور اہم باتیں لکھنی ہتین وہ والہ مرحوم لکھ چکے۔ اور گواسے پیچھے آئیوالوں کے لئے انہوں نے بہت سے کام چھوڑے ہیں جیسا کہ تمام انسانی کاسون کا عہدہ ہے مگر جس کام کو وہ خود کر گئے ہیں بجائے خود بے نظیر کہا جاسکتا ہے۔ میں تمام اردو کا مذاق رکھنے والے اشخاص سے امید ہے کہ وہ اس کتاب میں بہت کچھ لطف پائینگے۔ کتاب مولوی عبدالواحد صاحب مدرس شی مائی سکول بلدہ حیدر آباد سے مل سکتی ہے۔

رسماء از حب (۴) نمبر (۸) واقع پانی پت مطبوعہ اگست ۱۹۰۱ء

مولوی محمد عبدالعلی خان صاحب والہ مرحوم مدرس نظام کالج حیدر آباد دکن نے جو اس کالج میں بی اے کلاس کو اردو پڑھایا کرتے تھے وقتاً فوقتاً اردو دیوان غالب پر کچھ مختصر نوٹ قلمبند کئے تھے۔ ان نوٹوں کو ان کے فرزند ارجمند مولوی محمد عبدالواحد صاحب و احمد مدرس فارسی سٹی مائی اسکول حیدر آباد دکن نے ایک جگہ فراہم کر کے کتاب کی شکل میں مرتب کیا ہے اور حال ہی میں جیپو اکر شائع کیا ہے۔ اس کتاب کی ضخامت (۱۶) جنزوں کی ہے اور شائع مرحوم کے فرزند ارجمند مولوی

محمد عبدالواحد صاحب و آجد سے (عالم) قیمت پر مل سکتی ہے۔ کاش ان نوٹوں کو موجودہ حالت میں نہ چھپوایا جاتا کیونکہ ہمارے نزدیک ایک طالب علم کو جو غالب کی نازک خیالیوں سے واقف ہونا چاہتا ہے ان کے مطالعہ سے کوئی بصیرت حاصل نہیں ہوتی۔ اگر سر نوٹ کو پھیل کر شرح کا حق ادا کیا جاتا تو یہ شرح البتہ مفید ہو سکتی تھی۔ علاوہ اس کے طریقہ شرح اور طرز بیان میں بھی بے انتہا اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہماری رائے میں یہ شرح جسکو شرح کہنا کسی حالت میں زرب نہیں دیتا اگر موجودہ صورت میں نہ چھپوائی جاتی تو بہتر تھا۔

گلدستہ خدائے جلالت (۵) نمبر واقع لکھنؤ مطبوعہ اپریل ۱۹۰۱ء

اس نام کی ایک شرح کلیات اردو میرزا غالب کبر آبادی مرحوم حال ہی میں آباد دکن سے شائع ہوئی ہے اور اس پر ہماری رائے طلب کی گئی ہے۔ ہم غالب کے دیوان کو حل طلب نہیں بلکہ تبصرہ طلب خیال کرتے ہیں اور ہمیں یہ کہ ملک میں کوئی ایسا پیدا ہو جو غالب کے کلام کی نزاکتیں اور اس کے حکیمانہ خیالات پر ایک مبسوط تبصرہ تیار کرے۔ لیکن جب تک یہ نہیں ہوتا استقامت ایسی شہر میں بھی غنیمت ہیں جو لفظی معنی سمجھا سکتی ہیں اور غالب کے دقیق کلام کو عام فہم بنا سکتی ہیں۔ خریداری کتاب کے لئے منشی عبدالواحد صاحب و آجد مدرسہ اول شہر مانی اسکول حیدر آباد دکن سے خط و کتابت کرنا چاہئے۔

گلدستہ کیا جلد (۳) نمبر (۳) واقع لکھنؤ طبع سال ۱۹۰۱ء

۹۲ صفحوں کی ایک مہتمم باشان کتاب سوقت ہمارے سے سامنے ہے لایق مرصف صاحب نے حقیقت بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے اس نمل اور ضروری کام کو باحسن وجہ انجام دیا۔ یہ کام اہم تو اس وجہ سے تھا کہ فخر زمان حضرت غالب کے اردو دیوان کی تصریح کی گئی اور پھر نہایت ہی عمدہ لکھنؤ طور پر عام فہم زبان میں۔ اور ضروری جگہ اس پر جس سے تھوڑا کثرت و رت سے زیادہ محقق نیر شاعر و حضرات اس کلام باعث اذکار کو جہان کہیں نہیں سمجھ میں آتا ہے معنی فرمادیا کرتے ہیں۔ لہذا اس رسالہ کے مصنف نے بہت ہی اچھی طرح نہ سمجھ میں آتا کہ فیصلہ کیا۔ گو اس سے قبل۔ الہیہ اور انہ کے اڈیشن جو اپنے آپ کو مجدد وقت دیکھتے تھے ہیں اس خدمت کو بحال لایک ہیں لیکن میری نظر سے پروانہ کے کل مسائل پر چھ نہیں گذرے اسوجہ سے اسکا فیصلہ مشکل ہے کہ اس معرکہ میں گو سے سبقت کون لے گیا اور اس نیکنامی کا سہرا کس کے سر رہا۔ تاہم مجدد وقت صاحب کی خود پسندی کے دیکھتے اتنا پتا چلتا ہے کہ صاحب و ثوق صراحت ہی قابل تحسین و آفرین ہیں۔ آج کل ملک میں ترقی تعلیم کے دیکھتے ہیں امید ہوئی کہ یہ ملک اس جواہر ہے بہا کو بڑی قدر سے یا تو نیا تہہ لے گی۔ کاغذ نہایت ہی عمدہ چھپائی بہت صاف قیمت کتاب کا حجم دیکھتے بہت کم صرف (۵۱) علاوہ محصولی۔ حیدر آباد دکن

تمام شد بریلو نو زبرد و ثوق صاحب

آغاز و طائرین طبع و زبان تحقیق

تاریخ از کلام حجاز نظام سراسر مدیاریخ گویان زمین و ستاد
مسلم الثبوت این فن - رشک ظهوری - غیرت نظیری سخن نیم
واقعی واقف اسرار جلی و خفی - عالم شجر - علوم و فنون شیرین
ماهر محقق کامل - دقیق فاضل - امام فن تاریخ دانی - بلبل
نیرودستان بهارستان معانی - صاحب تحقیق - مالک
التدقیق - صاحب طلاق حسن - خداوند سخن فیاض زبان
یکتا دوران - اعمضا و اخوان عالیجناب فضائل آب
فواضل انتساب مولانا مولوی محمد عبدالحی صاحب و قبله
التخلص به و تحف مددگار اول منتهمند و بست علاقه کار

و تلمیذ خاص حضرت والہ مرحوم و مغفور -

خدا را و ان سپاس و ستایش
معانی لغز و مضامین نادر
بشیرین بیانی مذاق خرد را
به تفصیل باشد عدیل تطوّل
شروع اندر کثر بخوبی ولیکن
بعین هنر بین چو محفل الجواهر
اگر شعر نو طرز غالب فقهی
چراغ مجالس سراج محافل
نظیر خود کشت بهت خود او بخوبی
اگر حل معنی اشعار غالب
جمال رخ شعر غالب نموده
پذیرنده منتش شعر غالب
ز بس تا بنا که بتالیف آمد
یدام سطور است کیسوے خوبان
سطور است یا سلاک لوی لا لا
اگر فی المثل شعر باشد گلستان
سرا سر درست و سزاوار باشد

کردنخواه شد شتیه شرح و اجد
سراسر بود درج در شرح و اجد
دهد ذوق تنگ شکر شرح و اجد
با جمال چون مختصر شرح و اجد
بود از همه خوبتر شرح و اجد
بچشم بدان بیشتر شرح و اجد
نگار کن تو اسے دیده و شرح و اجد
بود نرد صاحب نظر شرح و اجد
ندارد سپیم در شرح و اجد
بتوضیح خواهی نگار شرح و اجد
بمراة خود جلوه گر شرح و اجد
که دادش بهیست در شرح و اجد
برد آبروے گهر شرح و اجد
بود دلکش و دل شکر شرح و اجد
کشد خط بروے گهر شرح و اجد
جانا بود بار و بر شرح و اجد
نویسد اگر زبانی شرح و اجد

خرد گفت با وصف تاریخ طبخش

و بدان شرح دیگر شرح واحد
۱۹ ۳۱ هجری

قطعه تاریخ از کلام معجز نظام پیشرو صاحبان سخن بمقبول
اساتذہ این فن - لاریب یکتائے زمانہ - بے شبہ ہر گیانہ
صائب مقام - قدسی کلام - معجز نظام - صاحب دتگاہ عالی
انوار نظم را والی - بدر میسر اوج کمال - شاہد معنی را یوسف
جمال - فردوسی نشان - جامی بیان - نیر عظم آسمان
تحقیق خلاصہ محققان صاحب تدقیق - فلک البروج
کمال - آفتاب عروج لازوال - امام فن سخن شاعر مضمون
آفرین حضرت ذی مکرمت مولانا مولوی محمد صدیق حسن
التخلص بہ عاشق صدر مدرس فارسی مدرستہ العالیہ کراچی

و پیر و فیض نام کالج حیدر آباد دکن دام لطفه

و اد معالی خوب بداد
شرح گزین مقبول نواد
طالع سبب معنی یا منت داد
چشم بپوشن یارب بداد
بر سر ویشم پوشش نهاد
لفظ در پیشش بخشش داد
و ه چه بخششش داد
کحل عیون اهل سواد
نکتہ ترشش قابل صداد
حاصل او تفصیل زیاد
شفق احسن و اجاد
شرح مبین هر عقده کشاد

۱۹
۱۳۰۰

حضرت واجد ذهن رساش
بر سخن غالب بنوشت
مطلب مشکل زو ش جل
و ه پنهنگار سے جلوہ منور
بر که بدیدش از ره قدر
تخت نبش عین صواب
و ه چه صفت بین سطور
نور قلوب اهل صفنا
رفر شکرش لایق صفت
شامل او تفسیر صح تمام
تذکره التسهیل و من
سال چوبتم گفت سرش

قطعه تاریخ از ظهوری ظهور و نظیری نظیر فصیح اللسان بلیغ
البیان سر حلقه شعرای اردو پروانه شمع شبستان گفتگو
ساحب الفضائل و المناقب جناب مولوی محمد کاظم صاحب

کنتوری المتخلص بشیفته ساکن حیدر آباد دکن

اور روشن ہونا نام غالب
جس سے ظاہر ہے مراد غالب
اب چہی شرح کلام غالب

جب مشرح ہوا اردو دیوان
شرح یہ و آلہ و آجہ نے لکھی
نخبر سال میں منقوطہ حروف

رباعی تاریخ از قلم مشکین ^{۱۹} رستم حراغ شہستان گرمیانی
سراپا شعلہ طور سخندان ^{۱۹} جناب ستودہ مناقب میوزا شعلہ
المتخلص بلمعہ نرنگہ زہد جناب شعلہ صاحب مرحوم

کیا خوب لکھی ہے شرح بہر طالب
مطبوع ہے یہ حل کلام غالب

ہے قابل شکری و جد صاحب
ہاتھ لکھے کہ ہے لمعہ سال تاریخ

قطعہ تاریخ صنعت توشیح از افکار گوہر بار بلبل خوش الحان
گلستان سخن واقف اسرار این فن شیفہ شیوا بیانی
نغمہ سنج بہارستان سخندان جناب لوی سید محمد علی صاحب
نعمانی یلع آباد ^{۱۹} لکھنوی المتخلص بپیشش دامن لطف

نوشت شرح بدیوان اردوغی آلب
خیال و آجده خوش فکر چون جوغ خود
ز غلط بیرون افکار هر دو اهل کمال
نوشت عرش حسن او اجنت توشیح

دلیل اهل سخن و آله بلند افکار
شده نیمه تازه بطرز نوشتار
شمیم زلف سخن بیان میدد در اشعار
حروف فرق مصاریع گیر به تکرار

۱۹

قطعه تاریخ از گوکبختنده اوج سنخوری کامیاب کامران میدان
فصاحت گستر می بلاغت نشان گوهر نشان شیرین بیان
جناب الامتاق آس صاحبش بیوری صدر انجمن جلالتحاد
ووالس پرسیدنت آف محمدرن عثمانیه کلب حیدر آباد دکن

آفرین بر حضرت واجد که هست
چون رقم فرمود این نایاب شرح
گفت مائتم سال طبعش ایچنین

چرخ شعروشاعری را آفتاب
بر کلام غالب عالینجاب
روح افزا هست شرح لاجواب

۱۹

وله ایضاً

کرد تصنیف چو این شرح جناب و آجد
خاستم از فلک پیر چو سال طبعش

بدل و جان همه عالم شده آنرا طاب
مائتم گفت مگر شرح کلام غالب

۱۹

قطعه تاریخ از سنخوز شیرین مقال شائق کمال مورخ بمیشال

نیک خصال ستودہ مناقب جناب میرزا و علی صاحب
اعظم تلمیذ حضرت داغ دہلوی ساکن حیدرآباد دکن

چنین شرح نوشت و آجد کنون
سن عیسوی گفت اعظم سر و شش
ز چشم عدو خان حسرت چکید
نگر شرح ریوان غالب پدید
۱۹۰۲ء

ول

لکھی شرح زیریا جو واجد نے اعظم
کہی مین نے تاریخ بے چشم بدل
ہوا انکا احسان اہل نظر پر
چپی آج و جدا ن تحقیق بہتر
۱۱ ساف

ایضاً

کم مین و آجد کے سے یہاں عالم
مشفق من جناب و آجد نے
سر اعظم سے مین نے سال کہا
ذی عنایت شفیق و نیک شیم
شرح چپوالی جبکہ اسے اعظم
سنزل اوچ رشک بارغ ارم
۱۹۰۲ء

ایضاً تاریخ ورنشر

جامع الکمالات و جدا ن تحقیق
۱۳۱۹ ہجری

قطعہ تاریخ از مورخ شیرین مقال جناب ستودہ منامت

سید علی رضا صاحب المہند الواہب

لکھی و آجدر نے ایسی شرح نایاب چلو دوڑ و خرید و شائع و اب سر اسید سے ہاتھ نے یارب	کہ جس سے مطلب مشکل عیان ہو چھی ہے شرح زیبا تم کہاں ہو کہی تاریخ مرغوب جہان ہو
--	---

قطعہ تاریخ از مولخ شیرین گفتار ستودہ مناقب جناب

سید یوسف علی صاحب المہند الواہب

شکر صد شکر چپ گئی پیشہ شرح جو مصنفین اسکے اے یوسف کوئی پوچھے جو سال طبع کتاب	جکا دیکھا نہیں نظم و نثر مال میرے استاد ہیں وہ نیک وصال کہہ بلند اختر تھی واجدہ سال
--	---

قطعہ تاریخ از سید محمد ان خاکسار محمد عبد الواجد المتخلص بہ و آجد
مصنف وجدان تحقیق فرزند حضرت والہ مرحوم و مغفور

دارم اسید قدر ز نو اعجاز ملک الف سرود مصرع جہتہ اش حنین	زین شرح تازہ ام کہ بعد آب طبع شد شرح جدید و مفرد و نایاب طبع شد
--	--

ایضاً

شرح چنین نادر و پاکیزہ تر	گشت چو اسے یارب بعد آب طبع
---------------------------	----------------------------

شرح بشرد لکش و نایاب طبع
۱۹ سہ

گفت بن ہاتف غیبی سنش

ایضاً

کر دہ ام تصنیف خوش مرغوب ہند
آرے این شرحی بود مطلوب ہند
شرح مضمون آفرین محبوب ہند
۱۹ سہ

شرح تازہ حامل رمز جدید
طالب معنی غالب بودہ اند
سال طبعتش خود بخود آمد غیب

ایضاً

از کمال منسرخ گل گل شکفت
شرح مضمون آفرین بسطو گفت
۱۹ سہ

ہر کہ دید این حل و این شرح جدید
ہاتف غیبی سن طبعش بن

تمام شد تواریخ طبع کتاب

نوٹ۔ جن صاحبون نے میری شرح کی تاریخین کہی ہیں میں انکا شکریہ
ہوں اور چونکہ قدیم سے یہ رسم چلی آتی ہے کہ کتابوں کے آخر یا اول
میں تاریخین اور تقریریں درج کی جاتی ہیں۔ لہذا میں نے بھی یہ تاریخین
شکریہ کے ساتھ یہاں درج کی ہیں خصوصاً عالیجناب مولوی عبدالحی صاحب
وصف اور عالیجناب مولوی صدیق حسن صاحب عاشق کا میں نہایت شکریہ
ہوں اور فی الحقیقت ان دونوں معزز و محترم بزرگوں کی تاریخین مجھے خاکسار
کے لئے سرمایہ ناز و باعث افتخار ہیں فقط
محمد علی

صحیفہ وثوق صراحت شرح دیوان اردو غلیظ لکھوی

نوٹ - (=) یہ علامت جو براکٹ میں لکھی ہے مساوات کی ہے۔
 انگریزی میں یہ قاعدہ ہے کہ جس لفظ کے معنی بیان کرتے ہیں اس لفظ
 کے بعد یہ علامت بنا دیتے ہیں۔ مساوات کی علامتیں اور ڈیشز اور
 اشارے کے تعدادی ہندسات و وثوق صراحت میں سے لکھتے ہیں چونکہ مساوات
 کی علامت اردو کی شرح میں ایک تازہ ایسا دہنا لکھتے ہیں کہ میں مجھے
 پہچان ہو گیا ہے لہذا میں نے نظر ثانی کر کے نسخہ دیگر غلط کتابت
 میں صحت نامہ مرتب کیا ہے۔ اور (=) یہ علامت جو براکٹ میں لکھی ہے
 فصل کی ہے جسکو انگریزی میں ڈیشز کہتے ہیں لفظ واجبہ یعنی غنہ

صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط
-	=	۵	۹	-	=	۱	۵
دیدہ خواب	دیدہ	۷	۹	-	=	۸	۵
-	=	۷	۹	-	=	۱۱	۷
-	=	۸	۱۰	-	=	۱۲	۷
-	=	۹	۱۰	-	=	۱۱	۷
-	=	۱۰	۱۰	-	=	۱۵	۵
-	=	۱۱	۱۰	کہ	کو	۹	۵

صفحہ	خط	صحیح	خط	صفحہ	خط	صحیح
۱۰	=	۱۵	=	۲۲	=	۱۳
۱۱	=	۱۵	=	۲۴	=	۳
۱۲	=	۸	=	۳۰	=	۱
۱۲	اشد	۸	اشد	۳۵	اشد	۱۳
۱۲	=	۱۰	=	۳۵	=	۱۳
۱۲	=	۱۲	=	۳۶	=	۴
۱۲	=	۱۵	=	۳۷	=	۲
۱۲	چار جو	۱۷	چار جو	۳۷	نرگس =	۷
۱۳	=	۶	=	۳۸	آ	۱۷
۱۳	=	۱۰	=	۳۹	خنجر =	۱۶
۱۴	ناموس ناموس	۱۱	ناموس ناموس	۴۰	رکتا	۴
۱۷	کا	۲	کا	۴۰	بلجیب =	۵
۱۸	=	۵	=	۴۰	=	۷
۱۸	=	۱۶	=	۴۱	=	۱
۱۹	کے	۲	کے	۴۱	=	۶
۱۹	اپنی	۸	اپنی	۴۱	خوبی صفتی	۶
۲۰	پڑ پڑ	۸	پڑ پڑ	۴۱	دبستان	۱۷
۲۱	کا	۴	کا	۴۲	نمکان =	۶

صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ	صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ
-	=	۴	۵۳	کی	کی کی	۳	۴۳
تنہی	تھا	۹	۵۴	-	=	۱۲	۴۳
-	=	۱۵	۵۵	تاکر	کے	۱۵	۴۳
اک	یک	۱۶	۵۵	اسکی	اوسکی	۱۶	۴۳
-	=	۳	۵۶	-	=	۱۲	۴۴
میری	اپنی	۸	۵۷	ہو جاتی	ہو جاتا	۱	۴۵
کو	کی	۱۲	۵۷	کرتا جاے	کیا جاے	۸	۴۵
-	=	۷	۵۸	پر	کا	۱۷	۴۵
کو	کی	۱۶	۵۸	ہی	ہی	۱۲	۴۶
-	=	۲	۶۰	-	=	۱۱	۴۷
-	=	۵	۶۲	-	=	۱۳	۴۹
کہ	کر	۹	۶۲	-	=	۲	۵۰
نویسندہ	نویسندہ	۱۶	۶۲	گداز	گزار	۵	۵۰
کے	کی	۱۷	۶۲	پھونچے	پونچے	۲	۵۱
خوف -	خوف =	۵	۶۳	بخ نگار -	بخ نگار =	۱۱	۵۱
اُن	ان	۱۲	۶۳	کرتا ہے	کرتی ہے	۲	۵۲
آے	آئے	۱	۶۴	بیم قیاس -	بیم قیاس =	۷	۵۲
حقیقت -	حقیقت =	۱۰	۶۴	جلے	جلے	۱	۵۳

صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ	صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ
ہم تو	ہم	۱۵	۷۱	عرف	عرب	۱۰	۶۵
استجاری	استجاری	۷	۷۲	-	=	۱۵	۶۵
نہیں -	نہیں =	۸	۷۴	مشاہد	مشاہدہ	۱۵	۶۵
جگو	جگا	۳	۷۵	آئندہ	آئینہ	۳	۶۵
-	=	۸	۷۵	کہ ہے -	کہ ہے =	۱	۶۷
-	=	۸	۷۵	-	=	۲	۶۷
تہی	تھی	۱	۷۸	وہ طاقت	طاقت	۶	۶۷
تہی	تھی	۲	۷۸	-	=	۱۵	۶۷
صرصر	سر سر	۴	۷۸	الغ -	الغ =	۲	۶۸
آئندہ	آئینہ	۶	۷۸	جانتا ہے کہ	جانتا ہے	۱۰	۶۸
پا -	پا =	۷	۷۸	دیا ہے	دی ہے	۲	۶۹
-	=	۱۵	۷۸	ہے	ہی	۱۱	۶۹
اپنی	اپنا	۹	۷۹	یون	پون	۱۵	۶۹
اس سے	اُس سے	۱۱	۷۹	اس کی	اس کا	۱	۷۰
قوت	قوت	۱۱	۸۰	-	=	۴	۷۰
نہ ہونچے	نہ ہونچا	۱۲	۸۰	-	=	۱۵	۷۰
گر	اگر	۱۳	۸۰	یہاں تک کہ	یہاں تک	۶	۷۱
-	=	۱۴	۸۰	-	=	۱۰	۷۱

صفحہ	کلمہ	غلط	صحیح	صفحہ	کلمہ	غلط	صحیح
۸۱	۳	کو	کوکر	۹۴	۱۶	آب	اب
۸۱	۳	ماتون	باشھون	۹۵	۱۰	الخ =	الخ -
۸۱	۶	ہین =	ہین -	۹۶	۳	=	--
۸۱	۱۰	دھوٹے	دھوٹے	۹۶	۱۱	سجی جی حال ہے	+
۸۲	۳	الخ =	الخ -	۹۷	۲	آینہ	آئینہ
۸۳	۳	وہ	وہ	۹۷	۳	=	-
۸۴	۹	ہم	ہم بچتے نہیں	۹۷	۱۱	=	-
۸۴	۱۳	الخ =	الخ -	۹۷	۱۷	منقسم ہے =	منقسم ہے -
۸۵	۱۰	=	-	۹۸	۳	نکون	نکین
۸۵	۱۲	=	-	۹۹	۱	عقبا ہے =	عقبا ہے -
۸۶	۱۲	سرگران -	سرگران =	۱۰۰	۱۲	=	-
۸۶	۱۶	=	-	۱۰۲	۵	الخ =	الخ -
۸۹	۱۱	=	-	۱۰۲	۷	نکبت	نکبت
۹۰	۳	الخ =	الخ =	۱۰۲	۸	=	-
۹۰	۵	سنگون =	سنگون -	۱۰۲	۱۰	الخ -	الخ -
۹۰	۱۱	نال	نال	۱۰۲	۱۷	در	در
۹۲	۱۱	سکتے	سکتی	۱۰۴	۸	خواب	گیتی خراب
۹۴	۱۲	=	-	۱۰۶	۱۴	دائع سامان	دائع سامان

صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ	صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ
-	=	۵	۱۲۹	گل	گل ہا	۱۶	۱۰۶
-	=	۸	۱۲۹	اُسکے	اُن کے	۱۶	۱۰۶
-	=	۱۵	۱۳۰	فراغت	فراغت	۱	۱۰۹
-	=	۱۷	۱۳۰	نظارہ	نقارہ	۱۰	۱۰۹
-	=	۶	۱۳۱	-	=	۱۳	۱۱۲
الخ -	الخ =	۱۰	۱۳۱	آے	آئے	۴	۱۱۳
-	=	۱۳	۱۳۱	-	=	۱۱	۱۱۵
باد پیمانی	بادہ پیمانی	۹	۱۳۳	بالغرض	بالغرض	۱۴	۱۱۶
در مقام	مقام	۳	۱۳۴	مری	میری	۶	۱۱۹
خزانے	خزانہ	۶	۱۳۴	-	=	۷	۱۱۹
میری	میرا	۳	۱۳۵	-	=	۵	۱۲۲
جسکو	جسکا	۱۶	۱۳۵	بازار	گلزار	۱۴	۱۲۴
ریشہ دوانی	رشتہ دوانی	۳	۱۳۶	-	=	۷	۱۲۵
کے اندازے	کی اندازی	۷	۱۳۶	-	=	۱۳	۱۲۵
-	=	۵	۱۳۷	-	=	۱۵	۱۲۶
کی	کے	۸	۱۳۷	الخ -	الخ =	۱۲	۱۲۷
شوخ	شوق	۱۴	۱۳۷	-	=	۲	۱۲۸
کی	کا	۳	۱۳۸	میرے	میری	۱۴	۱۲۸

نمبر	نمبر	غلط	صحیح	نمبر	نمبر	غلط	صحیح
۱۳۹	۱	ہنگام آرا	ہنگام آرا	۱۵۷	۱	ہے	ہے
۱۴۱	۱	چوڑ	چوڑ	۱۵۷	۱۰	=	=
۱۴۱	۲	آئینہ	آئینہ	۱۵۷	۱۰	=	=
۱۴۱	۶	دیدہ حیران =	دیدہ حیران	۱۵۷	۱۳	=	=
۱۴۳	۱۱	ساغر کا	ساغر کی	۱۵۷	۱۵	=	=
۱۴۴	۱۳	النج =	النج -	۱۵۷	۱۵	=	=
۱۴۴	۱۴	قدم	قدم	۱۵۸	۹	ہجران کی	ہجران کی
۱۴۵	۲	کا	کی	۱۶۰	۱	میکشتی	میکشتی
۱۴۶	۱	لفظ	لفظ	۱۶۰	۱	تھی	تھی
۱۵۷	۳	نگاہ النج	نگاہ النج	۱۶۰	۹	النج =	النج -
۱۵۷	۴	بڑی	بڑھی	۱۶۰	۱۵	خفای	خفای
۱۵۷	۸	پروا	پروا	۱۶۲	۱۲	=	=
۱۵۹	۱۳	کس نے	کس نے کہ	۱۶۲	۱۷	یعنے عاشق	یعنے عاشق کے
۱۵۰	۸	پرستش	پرستش	۱۶۴	۱۵	=	=
۱۵۲	۱۷	=	-	۱۶۷	۱۰	بچکے	بچہ کے
۱۵۳	۱۰	=	-	۱۶۷	۱۰	کو بچکے	گو بچ کے
۱۵۵	۱	نامیدی	نامامیدی	۱۶۹	۳	کر گئی	گر گئی
۱۵۵	۱۴	آئینہ	آئینہ	۱۷۰	۱۳	شکا	شکار

صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط
گڑوا دیا	گڑوا دین	۳	۱۷۵	-	=	۱۵	۱۷۰
درد خواری	درد خواری	۱۱	۱۷۵	آئینہ	آئینہ	۹	۱۷۱
-	=	۵	۱۸۲	اسکو	اسکا	۸	۱۷۲
طاق	طلاق	۶	۱۸۲	پوچتے تھے	پوچتے تھے	۱۵	۱۷۳

تمام شد صحت نامہ مرتبہ خاکسار محمد عبدالواحد عفی عنہ و آجد

نوٹ معارف کے ریمارک پر یہ صحت نامہ نہایت احتیاط کے ساتھ تیار کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ شائقان کلام غالب اس کے مطابق تصحیح کر لیں گے۔ الحمد للہ اب کوئی غلطی باقی نہ رہی فقط و اجد عفی عنہ

۵ مئی ۱۹۰۲ء عیسوی

مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

حصّول باب الف

وَلَوْ أَنَّ صِرَاحَتِ
موسى بن جعفر
وَجِدَانِ حَقِيقِ
اس ضمیمہ کو

خاکسار محمد عبدالاجد واجد بخش غفر فرزند عایین باب لانا موسی بن جعفر
والہ مرحوم مغفور و مدرس گورنمنٹ سٹی ہائی اسکول خیبر پور کن تصنیف کیا

تأویذ و تصانیف
مطبعہ دارالعلوم دیوبند



نقش فریادی ہر کسی شوخی تجیر کا کاغذی ہی پیر میں ہر پیکر تصویر کا

چونکہ تصویر اکثر کاغذ پر ہوتی ہے لہذا تصویر کو کاغذی پیر میں یعنی پوشاک کاغذی
 دارندہ قرار دیا ہے۔ اس شعر کے اتنے معنی ہو سکتے ہیں کہ تصویر زبان
 حال سے تعظم و فریاد کرتی ہے مگر ان معنوں میں کوئی لطافت و رنزاگت
 نہیں کیونکہ اس سے حاصل کچھ نہیں اور تاویل و تعبیر میں بہت کچھ گنجائش ہے
 چنانچہ بعض لوگ اس شعر کو تصوف میں لئے جاتے ہیں اور صوفیانہ معنی
 بیان کرتے ہیں مگر خود ان کو یقین نہیں کہ مقصود قائل یہی ہو۔ اور یہی
 ممکن ہے کہ مرزا نے مولانا نے روم رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر سے
 بشنوائے چون حکایت میکند * وز جدانی ما شکایت میکند
 یہ مضمون غذا کیا ہو یعنی نے کی جگہ نقشِ در شکایت کی جگہ فریاد اختیار کیا ہو
 اور اسی لحاظ سے اسکو دیوان کا مطلع قرار دیا ہو مگر یہ مضمون اس مطلع سے

صراحت اور وضاحت کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا۔ مولانا کے شعر میں جذبات کا
 اظہار ہے کہ جس سے شعر کے معنی بآسانی معلوم ہوتے ہیں معہذا وہ
 شغوی ہے اور علم تصوف کے متعلق ہے۔ مولانا سے مدوح نے مضمون
 کو سادہ وار تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس مطلع میں وہ بات کہ ان
 غزل کے شعر میں اس قدر تعقید شغوی معیوب ہے گویا معنی کا خون کرنا ہے کئی
 شغوی تحریر اور ہر یک تصویر یہ ایسے الفاظ ہیں جو شعر کو سور و طعن نہایت
 کیا خدا کے پاک کو کوئی عاقل شغوی یعنی عبارت کے ساتھ منسوب کر سکتا ہے۔
 اس کا جواب یہی ہے کہ ہرگز نہیں شعراے فصاحت شعرا کا یہی دستور رہا ہے
 کہ تعقیدات شغوی سے اجتناب و احتراز کرتے رہے تاکہ کلام مہل اور بے معنی
 نہ ہو جائے۔ پیرسن کا غدی = فارسی والون کی اصطلاح ہے۔ اسکے
 معنی و ثوق صراحت میں دیکھئے۔ نقش = صورت و نگار و تصویر۔
 نقش اس کی جمع ہے اس شعر میں نقش معنی تصویر آیا ہے۔ فریادی =
 فریاد کنندہ۔ فریاد کرنے والا۔ مگر اردو کے قاعدہ سے تصویر چونکہ ثابت
 پر لکھنا بیان فریاد کرنے والی کہنا چاہئے یعنی تصویر کی شغوی تحریر کی فریاد
 کرنے والی ہے۔ فریادی میں جو یاے تھانی آخر میں ہے اس کو
 یاے فاعلی کہتے ہیں کیونکہ اس یا کے معنی اسم فاعل کے ہوتے ہیں۔
 کا غدی = منسوب بہ کاغذ۔ کاغذی کی یا۔ یاے سببی ہے۔ پیرسن =
 اس لفظ میں باے فارسی کو کسرہ ہے پیرسن۔ یعنی پوشاک و لباس۔
 پیرایان و پیراہن و پیرند اس لفظ کے مترادفات ہیں۔ پیرسن اصل میں کتہ کو

کہتے ہیں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۵ حالیا دل دامنہ برائت
 ہوئے پیرا مان یوسف یافتہ است ۶ اور سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
 ۵ زمرش ہوئے پیرا ہن شیدی ۶ چرا در چاہ کنگاشن ندیدی ۶
 پیر ہن سیما بی و پیر ہن آبی - اسکے دوسرے کلمات ہیں - پیکر =
 بروزن قیصر کا لہذا اور جثہ اور صورت اور تن کو کہتے ہیں - یہاں غصو
 اور جثہ کے معنی ہیں اور پیکر بمعنی بت بھی آیا ہے لہذا بت خانہ کو پیکرستان
 بھی کہتے ہیں مگر اس شعر میں یہ معنی مقصود نہیں ہیں - شوخی بواو مجہول
 طراری و بیباکی اور اس لفظ کا اطلاق اشیاء ذات الحریک میں ہوتا ہے
 محقق کا عل ادیب فاضل میرزا ہدایت مرحوم امیر الشعراء پاسے تحت ایران کے
 فرنگی سخن آرا سے ناصری میں اس لفظ کی تحقیق کے متعلق لکھا ہے کہ در میان
 عوام شوخی کردن بمعنی طرافت کردن معروف شدہ و لطیفہ گفتن بمعنی بد و کنا گفتن
 و ہر دو بخلاف است و شعر شوخ را بمعنی معشوق خوش خلق شہرت دادہ اند و بعلط
 مشہور شدہ شیخ سعدی رح بمعنی اصل ملاحظہ کردہ و گفتہ ۵ شوخی مکن
 ایدوست کہ صاحب نظر اندہ بیگانہ و خویش ازین ہست نگراند ۶ شوخ چشم
 و شوخ دیدہ معشوق بے حیا و طرار - شیخ سعدی رح گفتہ ۵ پس سے شوخ چشم
 و کشتی گیر ۶ شوخ چشمی کہ بگلد زنجیر ۶ انتہی حاصل یہ کہ لفظ شوخ بمعنی طرار و
 بیباک و دلیر آیا ہے اور یہ لفظ معشوق کی صفت میں ہی ستمل ہوتا ہے
 اور اسکے معنی طریف الطبع اور معشوق خوش خلق کے غلط ہیں - اس کے مرکبات
 شوخ چشم - اور شوخ دیدہ - اور شوخ رو - اور شوخ زبان - اور شوخ طبع - اور

اور شوخ طبیعت اور شوخ تراز و صیح اور استعمال اور مشہور ہیں۔ چونکہ روزمرہ اور بول چال میں اہل سان و او معروف و مجہول میں کچھ فرق نہیں کرتے لہذا شوخ کو او معروف کے ساتھ ہی بولتے ہیں اگرچہ وہ اصل میں بوا و مجہول ہے۔ ہندوستان میں شوخی بمعنی خوبی بھی مشہور ہے چنانچہ شیخ ناصر علی سرہندی کہتے ہیں **۵** باین شوخی غزل گفتن علی از بس نمی آید ہ بایران میفرستم تا کہ میگوید جوابش را چنانچہ تذکرہ گلزار اعظم میں شیخ ناصر علی کے اس شعر کے تحت میں شوخی کے معنی خوبی لکھے ہیں مگر اہل لغت نے اس معنی کو نہیں لکھا ہے۔ غالباً یہ مجازی معنی ہونگے۔ مرزا غالب مرحوم کے اس مطلع میں ہراور پیکر کے الفاظ را ندا و حشوق بیچ میں کیونکہ صرف اس قدر کہہ دینا کہ تصویر کا پیرہن کاغذی ہے ادائی مطلب و اظہار مضمون کے لئے کافی و مکتفی ہے مگر یہ بھی اشتباہ ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ تاکید کی غرض سے لائے ہیں کاغذین جامہ بمعنی کاغذی پیرہن فارسی میں آیا ہے۔

کا و کا و سخت جانی ناتہ نہائی نوجہ	صبح کرنا شام کا لانا ہے جوی شیر کا
------------------------------------	------------------------------------

یعنی میں شب فراق میں صبح ہونے سے پیشتر مر جاؤنگا۔ کا و کا و۔ حاصل بالمتدرج ہے کا ویدن کا۔ کا ویدن کے معنی میں کہو دنا۔ کا و کا و یعنی نقص اور تجسس اور ترسنا اور زمین کہو دنا۔ اصل میں خزانہ اور دینیون کی تلاش کو کا و کا و کہتے ہیں مگر یہ بہ لفظ استعمال کے لحاظ سے لفظ عام نہیں ہے بلکہ خاص موقع پر بولا جاتا ہے یعنی ناخن سے رانے

یا زخم کے کہو دے اور کریدنے کو کاوکا و کہتے ہیں۔ کاوتہا امر کا معنی ہے
 کاویدن سے۔ اوسکی تکرار سے یعنی کاوکا و کہنے سے حاصل مصدر بنایا گیا ہو
 اور کاوش اسکا مترادف فقط ہے جو کافتن کا حاصل مصدر ہے۔ مین سے
 بعض صاحبوں کی زبان سے سننا ہے کہ لفظ کاوکا و پراعتراض کرتے تھے
 اور کہتے تھے کہ یہ لفظ غیر فصیح ہے اور غزل میں لائے کے قابل نہیں ہے
 مگر خاکسار یہ کہتا ہے کہ اس لفظ کی صحت اور فصاحت میں کوئی شک نہیں ہے
 چنانچہ عرفی شیرازی رحم فرماتے ہیں **سے** گریہ دوستدار تو آرام گیر نیست
 یا کاوکا و دیدہ و دل یا گرسب تن بہ اور میرزا صائب رحم فرماتے ہیں **سے**
 از کاوکا و آن مرده ام بے خبر ہنوز نہ نگر فتنہ خون من زبان نیشتر ہنوز نہ
 سخت جان = وہ جاندار ہے جسکی جان اسکے بدن اور قالب سے دیر اور
 مشکل کے ساتھ نکلے۔ آسانی سے اسکی جان اسکے جسم سے جدا نہو یہ اسم
 صفت ہے از قبیل نیک سیرت و جوان نخت و دراز قامت وغیرہ یعنی ایک
 اسم صفت اور دوسرے اسم غیر صفت سے مرکب ہے۔ سخت جانی = اسکا
 اسم ذات ہے بمعنی مصدر یعنی سخت جان ہونا سخت جانی میں ج آیا ہے وہ یا ہی مصدر ہی ہے
 کیونکہ اس یا کے معنی مصدر کے ہوتے ہیں۔ جب اسم صفت کو اسم ذات
 بنایا جاتے ہیں تو اسم صفت کے آخر میں یا سے مصدری لگا دیتے ہیں۔
 جیسے نیکی و بدی یعنی نیک ہونا اور بد ہونا اس شعر کے مصرعے اول میں پہونچد کی
 جگہ پیرس رکھ دیا جائے تو سالم مصرع فارسی ہو جاتا ہے یہ مصرع
 کاوکا و سخت جانی ماسے تنہائی پیرس۔

جذبہ بے اختیار شوق دیکھا جائے | سینہ شمشیر ہے دشم شمشیر کا

سینہ شمشیر = یعنی صدر شمشیر شمشیر کی دھار۔ سینہ شمشیر فارسی کے اہل
لسان کی اصطلاح نہیں ہے یہ ترکیب میرزا صاحب کے اختراعات میں
سے ہے اہل لسان دشم شمشیر اور دم تیغ اور دم خنجر اور لب تیغ اور دہن تیغ اور
روئے تیغ کہتے ہیں اور اس کی ضد پشت شمشیر ہے مرزا صاحب فرماتے
ہیں **پشت شمشیر** سوال از دم بود خونیر تر ترہ خامشی را بدتر از ابرام میدانیم
مرزا غالب کے اس شعر کے مضمون سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے
اس شعر میں شمشیر کو سینہ سے تشبیہ ہی ہے اور وجہ تشبیہ بالنگین اور اکڑنا
اور متناس ہے اگر شمشیر کو مشہد اور سینہ کو مشبہ بقرانہ دین تو معنی شعر میں خلل
واقع ہوتا ہے یعنی شمشیر کو شخص دی روح قرار دینا پڑیگا جو نئے لطف اور
پرتضع بات ہے بلکہ شعر باریہ بلاغت سے بالکل گر پڑیگا۔ شعر کا مضمون
ظاہر ہے کہ دشم شمشیر جو شمشیر سے باہر ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ عاشق جو شایق
شہادت ہے اس کے جذبہ بے اختیار شوق نے اسکو تلوار سے باہر
کینچ لیا ہے۔ شمشیر = مرکب ہے شمشیر سے شمشیر یعنی ناخن اور شمشیر
اسد زندہ مشہور چونکہ تلوار کی شکل ناخن شمشیر سے مشابہت رکھتی ہے لہذا
فارسی میں تلوار کو شمشیر کہتے ہیں۔

اگر ہی ام شنیدن حقدار چاہے | مدعا غقاری اپنے عالم تقیر کا

لہذا لبا مرزا نے یہ شعر اپنے ان اشعار کی نسبت کہا ہے جو طرز خیال ہندی میں

فکر کئے ہیں اور طریقہ تبدیل روح پر کہے ہیں کیونکہ جو اشعار صاف ہیں اور نکامدعا
 تو اظہر من الشمس ہے اور مرزا کے صاف اشعار کی حلاوت و لطافت
 اور ان کی عمدگی اور دلچسپی اور ان کی شیرینی و تازگی کل استادوں کے
 پاس مقبول اور جمہور کے نزدیک مسلم ہے اور انہیں صاف اشعار سے
 مرزا کی استادی کا ذکر کا نام ہندوستان میں بجا ہوا ہے۔ مرزا غالب کے
 جو اشعار سید ہے سادے اور صاف ہیں وہ مرزا رفیع سودا رح اور میر تقی میر
 کے اعلیٰ اور منتخب اشعار سے کچھ کم نہیں ہیں۔ مرزا نے راستی اور سچائی کی
 راہ سے یہ شعر کہا ہے اور اس شعر میں اپنی خرابی طرز کا آپ ہی اعتراف کیا ہے
 اسی کو انصاف کہتے ہیں و حقیقت مرزا بیدل اور شیخ ناصر علی اور مرزا جلال
 اسیر اور مرزا غالب وغیرہ نے جو اشعار خیال بندی کی روش ناپنجار پر
 کہے ہیں وہ مہمل اور بے معنی نہیں ہیں تو کیا ہیں۔ ہر ایک شخص انکا ایک
 علیحدہ معنی بیان کرتا ہے۔ بہلا یہ ہی کوئی جادہ گفتار ہے۔ سر اسیر درویش
 و سرایہ آزار ہے۔ ایسا کلام خیالات بنگ کا ہمد و راز دار ہے۔ یا بقول
 مرزا عفا کردار ہے۔ چونکہ اس شعر میں مدعا کو عفا قرار دیا ہے لہذا شنیدن
 کو دام کہا ہے۔ میرے کی جگہ اپنے تاکید کی غرض سے کہا ہے آگہی =
 واقفیت و شناسائی۔ آگاہی کا مخفف ہے اس شعر میں آگہی کو صیاد اور
 شکاری سے تشبیہی ہے کیونکہ شنیدن دام اور مدعا عفا ہے تو ان کیلئے
 کوئی شکاری ضرور تھا۔ شبہ بہ کو جو صیاد ہے حذف کر دیا ہے اور اس کو علم
 بیان میں استعارہ بالکنایہ اور استعارہ بالکنایہ اور استعارہ مکنی کہتے ہیں۔

اور عقاقرنیہ ہے اور یہہ استعارہ تخیلیہ ہے۔ یعنی قرنیہ کو استعارہ
تھا کہتے ہیں۔ استعارہ کئی کا پورا بیان علم بیان میں دیکھنے سے
سہل ہے۔ واہم بچپانا = دامن سترون کا ترجمہ ہے مدعا = مطلب
عقارفتع عربی میں سیرغ کو کہتے ہیں اس طائر کی گردن دراز ہوتی
ہے اس لوگ عقابا بالضم کہتے ہیں اور یہ غلط ہے اس پرندے کے
سم کی تقلید مشہور ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس پرندے کا
وزن زمانہ میں تھا اور اب نہیں ہے آدمیوں کے بچوں کو اٹھا کر
سیرا کرتا تھا اور یہہ اس کی غذا تھی لہذا کسی پیغمبر صاحب کی بددعا سے
کوہا میں محصور اور بند ہو گیا بعض حضرات کہتے ہیں کہ اسکا وجود فرضی
کیا اس نے اسکو نہیں دیکھا ہے بہر حال ہا کی طرح عقاب ہی ایشیا
کی سری کا جزو اعظم ہے اور یہاں کے شعرا نے اس کے متعلق بہت سے
شعارے مضمون پیدا کئے ہیں۔

سوسے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا	پہلوں غالب سیری میں بجھ آتش زنجیر کا
------------------------------------	--------------------------------------

مطلب یہ ہے کہ میرے پاؤں میں زنجیر نہیں ہے۔ حالانکہ میرے پاؤں میں بکھر
پہنا دیجاتی ہے مگر اس کے حلقے میری آتش عشق سے موسے آتش دیدہ کی طرح
جلاتے ہیں اور میں سہرا پا آزاد اور غیر مقید بنجاتا ہوں۔ مرزا نے
اس کو دوسری جگہ اس طرح بیان فرمایا ہے ۵ مانع دشت نور دمی کی
تبدیل میں نہ ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں + غالب ۵ منادی

یعنی اسے غالب موی = بال - آتش دیدہ = آگ دیکھا ہوا -
 یعنی وہ شے جو آگ لگی ہے - آتش دیدہ اسم صفت مرکبے جو دو اسموں سے
 مرکب ہوا ہے ایک تو اسم ذات یعنی آتش اور دوسرا اسم مفعول یعنی دیدہ -
 اسیری = قید - آتش برپا = اسکے مجازی معنی میں مضطر و تپتیب
 مگر یہاں مجازی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ حقیقی معنوں کو اختیار کیا چاہئے تاکہ
 شعر کے معنی میں خلل واقع نہ ہو - بسکہ = بسکہ اور از بسکہ اور بس اور از بس
 یہہ چاروں لفظ مترادف ہیں اور کثرت اور افراط و فرماوانی و بہتات کے
 معنوں میں آتے ہیں - بسکہ اور از بسکہ اور از بس اردو زبان میں استعمال میں
 مگر بس بمعنی افراط و کثرت صرف فارسی میں آتا ہے نہ اردو میں - اور ان
 لفظوں میں کاف کا حذف کر دینا جائز ہے اور کبھی حرف از کو بھی حذف
 کر دیتے ہیں - بسکہ یعنی کثرت سے اور افراط سے اور از حد کہ - یہاں یہ سوال
 پیدا ہوتا ہے کہ از بسکہ اور بسکہ میں جو کاف ہے یہ کس قلم کا ہے اس کا جواب
 یہہ ہے کہ کاف زائد ہے اور یہہ کاف کاف صلہ اور کاف بیان بھی ہو سکتا ہے
 اس میں از سبب اور تعلیل کے لئے آتا ہے - بس کے معنی میں بہت
 اور کافی اور خاموش یعنی خاموش ہو بھینٹا امر - عسجدی رح نے آتش
 زبستان کی صفت میں کہا ہے **بس** کس کہ زردشت برگد و کنون
 باز + ناچار کند رو سے سوی قبلہ زردشت + بس کس - یعنی بہت لمگ
 بہت سے اشخاص حکیم سنائی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں **بس** اولیٰ تم
 قرآن زچہ با آندوسین + یعنی اندر رہ دین رہبر تو قرآن بس +

کافی و مکفی و کفایت کنزد۔ کسی کا فارسی شعر ہے **رو رو کہ کسایت تو**
ناگفتہ بہ است بس بس کہ حکایت تو نشنفتہ نکوست۔ بس بس یعنی خاموش
 ہو خاموش ہو۔ بسند اس کا مترادف ہے۔

سبا کا آس غمخوار جان درمند آ یا

جستہ الماس رخاں داغ جگر بدیدہ

تخفہ اور رخاں اور بدیدہ یہ تینوں لفظ مترادف ہیں۔ تخفہ اور بدیدہ عربی الفاظ ہیں
 اور رخاں فارسی کا لفظ ہے۔ شاعر نے جراثحت اور الماس اور داغ جگر کو
 تخفہ قرار دے ہیں اور ان تخفوں کو جان درمند کے غمخوار اور غم گسار
 مقرر کئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو جو مصائب و تکالیف ہم پر پڑتے ہیں
 ہم ان کی برداشت کرتے ہیں اور ہمت نہیں ہارتے بلکہ اوں تکلیفوں اور
 مصیبتوں کو آرام و راحت خیال کرتے ہیں اور اس واسطے ان کو غمخوار جانتے ہیں
 اور ان کی آمد پر مبارک دیتے ہیں۔ ابن النضوح شیرازی کہ کہتا ہے
 رباعی با فاقہ و فقر ہنشینم کردی * بے مونس بے یار و قرینم کردی *
 این مرتبہ مقربان در لت * آیا بچہ خدمت این چنینم کردی * دوسرے
 معنی یہ ہیں کہ جراثحت اور الماس اور داغ جگر ملک اور جان ستان
 چیزیں ہیں۔ ہکو یہ چیزیں ملی ہیں اب ہم مرجائیں گے اور ہم کو
 مصائب سے نجات حاصل ہوگی چونکہ ہم زندگی میں مبتلا سے آفات ہیں۔
 لہذا ان چیزوں کے آنے سے خوش ہوتے ہیں اور مبارک باد دیتے ہیں
 کہ اب مرجانے سے دنیا کے جہکڑوں اور رجھتوں سے نجات حاصل ہوا

غنجو آریا = اپنے ہدیہ غنجو ار ہے۔ ہدیہ غنجو آریا۔ آیا کی جگہ آمد رکھ دیجئے
تو سالم شعر فارسی بن جاتا ہے۔ جراحۃ تحفۃ الماس ارمغان ذائع
ہدیہ۔ مبارک باد اسد غنجو ار جان درد مند آمد۔

جنز قیس اور کوئی نہ آیا بروی کار صحر اگریہ تنگی چشم حود تھا

قیس = مجنون عامری کا نام ہے جو قبیلہ بنی عامر کے ایک رئیس کا بیٹا تھا۔
ایسا سے عامری پر عاشق تھا اور اس کے عشق میں شبہ ہجری میں انتقال کیا
کہتے ہیں کہ بیلہی ہی اس پر عاشق تھی۔ اور = دوسرا۔ دیگر۔ بروی
کار آتا = بروی کار آمدن کا ترجمہ ہے۔ بروی کار آمدن یعنی میدان
میں آنا۔ رونق پذیر ہونا۔ مشہور ہونا۔ ظاہر ہونا۔ آشکار ہونا۔ میرزا
صائب فرماتے ہیں۔ یا قوت آبدار تو آورد عاقبت خطی سرو
کار کہ ریحان بگرد رفت خطار سروے کار آورد یعنی خطا کو ظاہر کر دیا۔
یہ = ہای تشبیہ معنی مانند۔ بہ تنگی چشم حود یعنی مانند تنگی چشم حود۔
حود = بفتح اول و ضم ثانی بروزن فعل بد خواہ اور بہت حد کہ نوا لیکو
کہتے ہیں۔ تنہا کی جگہ بود لکھ دیجئے تو مصرع فارسی ہو جاتا ہے۔ مصرع
صحر اگریہ تنگی چشم حود بود۔ یمن نے ذرا سے تغیر و تبدل میں اس
شعر کو پورا فارسی بنا دیا ہے۔ جنز قیس پچ مرد نیا بروی کار
صحر اگریہ تنگی چشم حود بود۔

نقش سپید کیا درت ظاہر ہوا کہ دراع کا سیر یہ دود تھا

نقش درست کرنا = یعنی نقش بنانا۔ نقش تیار کرنا۔ یہ مجاورہ فارسی
 یعنی نقش درست کردن کا ترجمہ ہے۔ سویدا = کالا نقطہ جو دل پر ہوتا ہے۔
 ترکیب نحوی میں نقش سویدا مفعول بہ ہے یعنی آشفنگی نے نقش سویدا کو
 بنایا پریشانی اور آشفنگی یہ دونوں لفظ مترادف ہیں اور فارسی میں
 آشفنگی بمعنی پریشانی کثرت سے مستعمل ہے چنانچہ میرزا صاحب رحم فرمائے ہیں
 آشفنگی ز عقل پذیر دماغ ما۔ فانوس گرد باد شہد بر حیران ما۔
 اور مولانا ظہوری رحم فرمائے ہیں وا عطف چہ کنی دستہ حدیث
 گل و سنبل۔ بر خیز کہ آشفقہ دماغ است دل ما۔ اور آشفقہ جس سے لفظ
 آشفنگی بنا ہے اردو میں بھی بمعنی پریشان کثرت سے آیا ہے چنانچہ
 وبال آشفقہ حالون کی پریشانی کا پڑتا ہے چونکہ گہی کو سواد زلف میں تشہیر
 کرتے ہیں اور راقم الحروف کا شعر ہے نسیم صبح اس کا کل نشانی
 سے ہے آشفقہ۔ در کہنا وہ تو اسے نافہ تاتا کیسی ہے۔ فرہنگ
 انجن آرا سے ناصری میں لکھتے ہیں کہ آشفقہ بروزن آشفقہ بمعنی بہم برآمدہ و
 پریشان۔ اور لغت بہار نجم میں لکھا ہے کہ آشفنگی۔ پریشانی و شوریدگی
 و بال لفظ کشیدن و پذیرفتن بصلہ از مستعمل۔ پس بعض اصحاب جو یہ کہتے ہیں
 کہ آشفنگی بمعنی پریشانی نہیں آیا یہ قول انکا غلط ہے۔ دانع = یعنی
 وہی دانع سویدا جو مصرع اول میں آیا ہے۔ اصل میں یہ شعر اس طرح ہے
 آشفنگی نے دانع سویدا کیا درست۔ ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ
 دود تھا۔ مگر چونکہ اس موقع پر تکرار لفظی معیوب ہے لہذا دانع سویدا کی جگہ پر

نقش سویدا کہا ہے۔ مصرع ثانی میں داغ سے مراد داغ سویدا ہے جو ابھی نڈکور
 ہوا ہے۔ لفظ داغ کے معنی ہیں دہیا اور نشان اور زخم اور غم وغیرہ۔ اردو واللون
 داغ کو نامائے علامت مصدر لگا کر داغنا مصدر بنایا ہے اور اس کے معنی
 ہیں فیر کرنا اور توپ یا بندوق چھوڑنا لہذا داغ بصفیہ واحد امر حاضر بھی آیا ہے مگر فارسی
 میں داغیدن کوئی مصدر نہیں ہے۔ داغ فارسی زبان کا لفظ ہے اور یہی
 لفظ ہے جسکو ہندی میں واگ بکاف فارسی کہتے ہیں واگ کے معنی جلا اور مٹانے
 کے ہیں۔ داغ اٹھانا اور داغ دینا اور داغ کہنا اور داغ لگانا لفظ داغ کے مرکبات
 ہیں۔ دود = دھوان سرمایہ = متاع اور پونجی۔ مرزا کے اس شعر کا
 مطلب یہ ہے کہ سویدا جو سیاہ رنگ ہوتا ہے وہ دود غم سے بنایا گیا ہے
 اور اسی واسطے ہر انسان کا بلکہ ہر جاندار کا دل دنیا میں غم و اندوہ سے
 خالی نہیں ہے۔ ہر شخص کا دل کسی نہ کسی وقت بتلا سے غم ہونا اس بات
 کو ظاہر کرتا ہے کہ سویدا کا سرمایہ غم کا دھوان ہے۔ ظاہر ہے کہ دھوان بھی
 سیاہ رنگ ہوتا ہے اور سویدا بھی سیاہ ہوتا ہے اور غم کا تعلق دل کے
 ساتھ ہے اور سویدا دل پر ہوتا ہے لہذا مرزا نے یہاں سے یہ مضمون
 نکالا کہ دلون کا آشفہ ویرشان و غم زدہ ہونا اس بات کو تبارک ہے
 کہ سویدا کا سرمایہ دود آشفگی اور دود پریشانی یا دود غم ہے جسکی وجہ
 دلون کا آشفہ ویرشان ہونا ضروری اور لازمی امر ہے۔

جب تک کہ ہل کی نہ زبان نہ ہوتا

تھا جو این خیال کو چہ معاملہ

حواپ خیال صنعت مراعات النظیر ہے اور زریاں و سود صنعت
تضاد ہے جسکو صنعت طباق ہی کہتے ہیں۔ آنکھ کھل جانا = یفنے
جاگنا اور بیدار ہو جانا۔ شعر صاف ہے اور اسکا مضمون ظاہر ہے۔

ایسا ہو کہ مکتب غم دل میں سنوڑ بنوڑ لیکن یہی رفت گیا اور بود تھا

یعنی مکتب غم دل میں سنوڑ بنتی ہوں۔ آئندہ بڑے بڑے غم و اندوہ اس
عاشقی میں طے کرنے کے ہیں۔ رفت گیا اور بود تھا یہ تبدائی چیزیں
میں جیسے بتندی اطفال الفاظ یاد کیا کرتے ہیں۔

وٹاپا کفن نے نواع عیب برہنگی میں نہ ہر لباس منیک وجود تھا

دائع = دہبا۔ عیوب = عیب کی جمع ہے۔ برہنگی = ننگاپن۔ ننگ
شریم وٹار۔ وجود = ہستی و زندگی۔ شعر صاف ہے یعنی میرے مر جانے
میرے عیوب برہنگی پوشیدہ و مخفی ہو گئے۔ کفن نے یعنی موت و مر گئے
کیونکہ مردہ کو کفن پہناتے ہیں لہذا کفن سے موت کا استعارہ کیا ہے
کفن نے میں دونوں کے ایک جگہ جمع ہو جانے سے ثقل و تنافس پیدا ہو گیا ہے۔

تیشے بغیر فنکا کوہن اسد گشتہ خار رسوم و قیود تھا

تیشے بغیر = یعنی بغیر تیشے کے۔ کوہن = فرہاد کا لقب ہے جو شیریں کی
عاشق تھا۔ رسوم = رسم کی جمع ہے۔ قیود = قید کی جمع ہے۔ تیشہ

بسولہ۔ مصرع ثانی میں تھاک کی جگہ بود لکھ دیا جائے تو سالم مصرع فارسی ہو جاتا ہے۔
 مصرع سگرشتہ خار رسوم و قیود بود * سگرشتہ = حیران و پریشان۔
 چونکہ خار کا اثر دماغ پر زیادہ تر ہوتا ہے لہذا سر کا لفظ مناسب شمار ہے۔

کہیں ہونے لگے ہم دل گر پڑا یا	دل کہان کہ گم کیے ہم در چا یا
-------------------------------	-------------------------------

دل کہان الخ۔ یہ ہم نے دل کے عوض میں مدعا و آرزو و تمنا سے معشوق پائی ہے۔ ہمارے سینہ میں دل نہیں ہے بلکہ تمنا سے معشوق ہے۔
 کہتے ہو کہ مخاطب معشوق ہے۔

دو تدار شمن ہر اعتماد دل معلوم	آہ بے اثر دیہی نالہ نار سا یا
--------------------------------	-------------------------------

جو دوست تھا وہ دشمن ہے اور دل جس پر ہوسا تھا وہ بے اعتبار ہے اور
 آہ بے اثر ہے اور نالہ نار سا ہے یعنی ہماری یہ حالت ہے اور ہم ات
 مصائب میں مبتلا ہیں جیسے خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
 شب تاریکے بیم موج و گردا بے چین ہاں * کجا دانند حال ما
 سبکاران ساحل ما * اور مرزا نے فارسی دیوان میں کہا ہے
 ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفان خیز * گستاخگر شقی و ناخدا خفتہ
 اس شعر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ آہ و نالہ جو پہلے اثر اور رسانی
 کے لحاظ سے دو تدار تھے اب بسبب اثری و نار سائی کے دشمن ہیں
 چونکہ آہ و نالہ کا تعلق دل کے ساتھ ہے لہذا دل پر بھروسا نکلیا جائے

کیونکہ دل کبھی دوست بنجاتا ہے اور کبھی دشمن ہو جاتا ہے۔ دوست دشمن صنعت تضاد ہے جس کے دوسرے نام صنعت طباق اور صنعت مطابقتہ ہیں۔ دوستدار کو بلا اضافت پڑھنا چاہئے کیونکہ اس بیت میں تقابل پایا جاتا ہے یعنی مرزائے مصرع ثانی میں دو چیزیں بیان کی ہیں۔ ایک چیز آہ اور دوسری نالہ۔ اُن کے تقابل میں بلحاظ ترتیب مصرع اول میں دوستدار اور اعتماد دل دو چیزیں مطلوب ہیں۔ دوستدار کو بلا اضافت پڑھیں تو دل اور سکا بتد ہوگا۔ اس حالت میں مصرع اول میں ایک ہی اسم مذکور ہوا اور تقابل کا لطف جاتا رہا۔ درحقیقت یہ مضمون خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ خواجہ رح فرماتے ہیں **شب تاریک بیم موج و گرداب چنین بل** کجا داند حال ما بسکاران سا حلہا۔ لیکن خواجہ کے شعر میں (حال) ایسا لفظ ہے کہ جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ خواجہ آپ بیتی فرماتے ہیں جاگ بیتی یا پریتی کی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اسمین وہ کیفیت نہیں جو خاص اپنے دل اور دماغ اور طبیعت میں پیدا ہوتی ہے۔ معلوم = فارسی کا محاورہ ہے بمعنی نیت اسکے معنی یہ ہیں کہ نہیں ہے چنانچہ حیدری تبریزی کہتا ہے رباعی در کشور ہند شادی و غم معلوم * آنجا دل شاد و غم خرم معلوم * جائیکہ بیک پیہ آدم بخزند * آدم معلوم و قدر آدم معلوم یعنی کشور ہندوستان میں شادی اور غم نہیں ہے اور وہاں دل شاد اور جان خرم نہیں ہے اور آدمی نہیں اور قدر آدمی کی نہیں۔

حسنِ تقابل میں جرأت آزمایا

سادگی و پرکاری بخود می ہشیاری

یعنے سادگی کے لئے پرکاری اور بنخودی کے لئے ہشیاری لازم ہے۔ کیونکہ حسن جو سادہ اور بنخود ہے عین تغافل میں جرات آزمائی کر رہا ہے جو پرکاری اور ہوشیاری کا کام ہے یعنی معشوقانِ حسین سادہ پرکار اور مست ہشیارین ان کو سادہ و مست نکلے بلکہ پرکار و ہوشیاری کہنا چاہئے کیونکہ اگر سادہ اور مست ہوتے تو جرات آزمائی نہ کرتے۔ یہاں تغافل سے مراد سادگی اور بنخودی ہے۔ تغافل میں یعنی سادگی و بنخودی میں کیونکہ جو شخص سادہ و بنخود ہو گا وہ ضرور غافل ہو گا۔ سادہ جن کے صفات میں سے ہے مگر بنخود حسن کی صفت ہیرے دیکھنے میں نہیں آئی۔ اگر بنخودی کے معنی حیرت کے جائیں تو یہی حسن کی صفت حیران نہیں ہو سکتی۔ یہہ الفاظ یعنی حسن حیران و حسن بنخود استادوں کے کلام میں نہیں دیکھے گئے۔ پرکاری = یعنی عیاری و طراری و مکاری۔ بنخودی = یعنی مدہوشی و حیرت سادگی و پرکاری اور بنخودی و ہشیاری میں داو ملازمہ کا ہے اور سادگی و پرکاری اور بے خودی و ہشیاری صنعت تضاد ہے۔ یہ طرز گفتار فصحا کے پاس معیوب اور نہایت بد نما ہے کیونکہ صرف الفاظ بطور اشارہ رکھ دئے ہیں مقصود قائل میں بے انتہا تعقید ہے۔ معلوم مراد صاحب کیا کہنا چاہتے تھے اور کیا کہہ گئے۔ اس شعر کا پہلا مصرع پورا فارسی ہے مصرع سادگی و پرکاری بنخودی و ہشیاری +

خون کیا ہو دیکھا گم کیا ہو پایا

غنجہ پھر لگا کہلنے آج ہنسے لپا دل

غنجے اور دل میں تشبیہ نامہ اور تشبیہ ستی ہے اور اسی تشبیہ کی وجہ سے مزارِ صاحب
 یہ عمدہ مضمون پیدا کیا ہے غنجہ = گلِ ناشگفتہ کو کہتے ہیں۔ بعض اہل تحقیق
 لکھتے ہیں کہ غنجہ اصل میں گنجہ ہے اور مصدر گنجیدن سے بنایا گیا ہے کیونکہ
 غنجہ میں گنجیدگی اور گرد آوری ہوتی ہے۔ اور لہذا غنجہ بحیم عربی صحیح ہے
 نہ بحیم فارسی۔ اگرچہ یہ تحقیق قرین قیاس ہے اور معقول معلوم ہوتی ہے
 مگر غنجہ بحیم فارسی کہنا چاہئے کیونکہ یہ لفظ اسی طرح گوش آشنا اور مشہور
 ہو گیا ہے۔ غنجہ بحیم عربی رکبک اور غیر فصیح ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل
 فصاحت نے اس لفظ میں گاف کی جگہ غین معجمہ اور بحیم عربی کی جگہ جیم فارسی کو فصاحت
 کے لئے اختیار کیا ہے۔

حالِ نہیں معلوم لیکن استقدر	ہے بار بار ڈھونڈھا تم بار بار پایا
-----------------------------	------------------------------------

یعنی اے معشوق ہمارا دل تمہارے پاس ہے ہمارا دل ہمارے پاس نہیں
 ہے۔ بلکہ تمہارے نزدیک ہے کیونکہ تم نے اُسکو بار بار حاصل کیا ہے۔ اس
 شعر میں یعنی حشو قبیح ہے۔

شویندنا صح نے زخم پر چہر کا	آپ سے کوئی بوجہ پر تم نے کیا فرمایا
-----------------------------	-------------------------------------

یعنی شویندنا صح سے ہمارا زخم عشق بڑھ گیا۔ جیسے زخم پر نہک چہر کرنے سے
 سوزش بڑھ جاتی ہے مگر نا صح کا کوئی فائدہ نہوا لہذا نا صح نے فضول کوئی کی۔
 یہ زبانا مضمون ہے۔ اس غزل کا وزن فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن ہے

اس بحر کا نام بحر نرجشمن اشتہ ہے۔ یہاں زخم کے حقیقی معنی جراحات مراد
 نہیں ہیں بلکہ مجازی معنی عشق و عاشقی اور اسکی آوارگی مراد ہیں۔ آپ سے
 یعنی نا صحت سے یہاں شور کے معنی غوغا و آشوب کے ہیں اور چینیہ نہک
 و نمکین کو بھی شور کہتے ہیں اگرچہ یہ اخیر کے معنی اس شعر میں مقصود و مطلوب
 نہیں ہیں مگر لفظ نہک کے ساتھ تناسب و مناسبت رکھتے ہیں لہذا لفظ شور سے
 اس شعر میں صنعت ایہام تناسب پیدا ہو گئی اور چونکہ بے تکلف اور بلا
 تصنع واقع ہوئی ہے لہذا نہایت دلچسپ اور پسندیدہ ہے۔ صنعت
 ایہام تناسب کی تشریف یہی ہے کہ معنی غیر مقصود کسی دوسرے
 لفظ کے ساتھ جو کلام کے اندر آیا ہے تناسب کہے۔ اس شعر کا حاصل
 یہ ہے کہ نا صحت کی نصیحت سے ہمارا عشق کم ہو نیکی عوض زیادہ ہو جاتا
 مرزا نے اس مضمون کو تمثیل میں بیان کیا ہے۔ عاشقوں کی عادت ہے
 کہ نصیحت سننے سے نفرت ظاہر کرتے ہیں۔

دل مر سوز نہاں ہے مجھ باجل گیا	آتش خاموش کے ماند گویا جل گیا
--------------------------------	-------------------------------

سوز نہاں = سوز اندرونی جو آتش عشق کی وجہ سے تھا۔ بے محابا
 بے ہراس و بلا اندیشہ خاموش و گویا صنعت تضاد ہے مگر یہاں گویا
 ادات تشبیہ میں سے ہے۔

دین و قس و صل و یا دیا ترک یا نہیں	اگل گھر میں لگی ایسی تھجا جل گیا
------------------------------------	----------------------------------

یعنی عشق و عاشقی کی آگ ایسی لگی کہ خانہ و لین جو کچھ اٹاٹھ تھا وہ سب
 جل گیا تا بجریکہ فوق وصل اور یاد یار جو نہایت مرغوب و مطلوب چیزیں تھیں
 وہ بھی جل کر راکھ ہو گئیں۔ یہاں آگ سے آتش عشق مراد ہے۔ عشق و
 عاشقی کے نتائج اکثر ایسے ہی بُرے ہو کرتے ہیں چنانچہ جنون اور فریاد
 جو دو لڑکے عاشق تھے اُن کے قصے شہر میں اُن دونوں عاشقوں کا
 انجام مرگ اور ہلاکت ہوا نظیری نیشاپوری رح فرماتے ہیں ۛ
 عشق است طلسمی است کہ در و بام ندارد ۛ اُن کس کہ از ویافت نشان نام
 ندارد۔ ۛ و کہ ۛ عشق کا مل نیت تا در بند مال و مسکنی ۛ آذرمان آتش علم
 گردد کہ سوزد خانہ را ۛ مرزا غالب کا یہ شعر صاف اور نہایت عمدہ ہے۔

میں علم ہی بھی پر ہوں نہ قال بالہا	میری آہ آتشیں سے بال غفاجل گیا
------------------------------------	--------------------------------

مصنف صاحب نے اس شعر میں نقطہ ہوتا کو جو جل گیا کے بعد آنا چاہئے تھا
 مخروف کر دیا ہے تاکہ شعر میں تعقید معنوی پیدا ہو جائے اور شعرا پر
 اور جادہ خیال بندی پر پوری طرح سے آجائے مطلب یہ ہے کہ میں
 غفقا سے بڑھ کر غائب اور غفقا سے بڑھ کر مشہور ہوں۔ یہ بات مشہور ہے
 کہ غفقا کا مقام کوہ قاف ہے مگر یہ بات بھی معلوم ہے کہ آج تک غفقا کو
 کسی نے نہیں دیکھا صرف اس پرندے کا نام سنتے ہیں اور فارسی کے
 شعر غفقا کو شہرت کے ساتھ باندھتے ہیں۔ اب شاعر یہ کہتا ہے کہ اگر
 میں ملک عدم میں ہوتا تو اُسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ میری آہ آتشیں سے بال غفقا

جلجالتا یعنی غنقا کی جگہ صرف میری شہرت باقی رہ جاتی اور کوئی غنقا کا نام
 نہیں لیتا مگر چونکہ میں ملک عدم سے بھی پرے ہوں یعنی ملک عدم کو
 طے کر کے کچھ اُس سے آگے بڑھ گیا ہوں لہذا میری شہرت اور میرا نام
 غنقا کی شہرت اور غنقا کے نام سے بڑھ کر مشہور ہے دوسرے معنی
 میری آہ آتشین ایسی تیز و تند ہے کہ اگر میں عدم سے پرے نہ ہوتا
 تو میری آہ سے بال غنقا جلجالتا یا جل گیا ہوتا۔ تیسرے معنی
 اے خافل میری آہ آتشین ایسی تیز و تند ہے کہ اُس سے بارہا بال غنقا
 جل گیا اور اب جو بال غنقا اُس سے نہیں جلتا ہے تو اُسکی وجہ یہ ہے
 کہ اب میں عدم سے بھی پرے ہوں لہذا بال غنقا کو میری آہ آتشین نہیں
 جلا سکتی مرزا لطف علی اصفہانی آذر تخلص جو ایران کا مشہور تذکرہ نویس
 اور نامور شاعر ہے اپنے تذکرہ آتشکدہ میں شیخ ناصر علی بہرہندی کے
 حال میں لکھتا ہے کہ از کثرت استعارات از متنوی او مطلبی
 مشخص نمیشود۔ میری رائے میں کل خیال بند شاعروں کا کلام یہی ہے
 اور مرزا کا یہ شعر بھی ازان قبیل ہے۔ مرزا نے کتاب عود ہندی میں
 جو خطوط مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام لکھے ہیں ان میں سے ایک
 مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ”قبلہ ابتدائی فکر سخن میں بیدل و اسیر و شوکت
 کی طرز پر ریختہ لکھتا تھا چنانچہ ایک غزل کا مقطع بیچہ تھا“ طرز بیدل
 میں ریختہ لکھنا ۱۷۰۰ سالہ قیامت ہے ۱۵۰۰ برس کی عمر سے ۲۵
 برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا

آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا اور اوراق یک قلم چاک کئے دس پندرہ
 شعروا سطلے نمونہ کے دیوان حال میں رہنے دے تمّت کلامہ - غالباً
 یہ شعر بھی انہیں اشعار میں سے ہوگا - شاعر نے اس شعر میں اپنے زیادہ تر
 غائب اور زیادہ تر مشہور ہونے میں مبالغہ اور اغراق کیا ہے جیسا کہ
 ایک دوسری جگہ مبالغہ اور اغراق کی راہ سے کہا ہے **○** منظر
 اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے پڑ عرش سے ادھر ہوتا کاشکے مکان انیا
 یہ شعر جو زیر شرح ہے اصل میں اسطرح ہونا چاہئے تھا جس طرح یہاں
 نشر میں بتایا جاتا ہے نشر میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ اسے
 غافل بار ما میری آہ آتشین سے بال غفا جل گیا ہوتا یا جل جاتا -

دل نہیں تجھ کو دکھاتا و نہ دانی کہ کیا
 اچراغان کا رکن کیا کار فرما جل گیا

کار فرما = یعنی صاحب و آمر - فارسی میں ضرب لشل ہے کارکن را
 کار فرما بر سر کار آورد - مرزا کا ذہن اس ضرب لشل سے اس شاعرانہ
 مضمون کی طرف منتقل ہوا ہے - فرماتے ہیں کہ میرا دل جو کار فرما تھا وہ تو
 جل گیا - اب رنگیا میں تنہا جو کارکن ہوں - جب کار فرما نہیں رہا تو
 کارکن کیا کر سکتا ہے - میں کیا کروں مجبور ہوں معذور ہوں -
 داغون کی بہار جو دل کی کار فرمائی سے ہتی میں نہیں دکھا سکتا -
 اگر دل ہوتا تو تجھ کو یہ بہار دکھاتا - چیراغان = یہاں چیراغ کی
 جمع نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی تعذیب کا نام ہے اور وہ تعذیب

اس طرح ہوتی ہے کہ مجرم کے سر میں کئی زخم کر دیتے ہیں اور ہر ایک زخم میں ایک فیلہ رکھ کر دشمن کر دیتے ہیں جس سے سر جلتا ہے اور مجرم کو نہایت ایذا پہونچتی ہے۔ درحقیقت یہہ تعذیب نہایت درجہ کی وحشیانہ ہے۔ یہہ شعر اس طرح ہوتا تو زیادہ تر صاف اور اچھا ہوتا۔ **س** دل اگر ہوتا دکھاتا تہجہ کو داغون کی بہا رہا۔ ان چہراغون کا کروں کیا کار فرما جل گیا۔ مگر مرزا کی طبیعت نے جو وقت پسند ہے چہراغون کی جگہ لفظ چہراغان جو ایک غیر مشہور لفظ ہے اختیار کیا ہے تاکہ کلام کے اندر وقت پیدا ہو جائے اور اس کو ہر شخص نہ سمجھے۔ میں جس عنوان سے اس شعر کو کس قدر بدل دیا ہے اس میں سلاست اور سہل پسندی کا انداز ہے۔ مرزا صاحب کا یہ شعر غلط نہیں ہے جو تغیر و تبدل کا محتاج ہو۔ اس تغیر و تبدل سے میری غرض یہہ تھی کہ موقع پر وقت پسندی اور سلاست پسندی کا فرق پبلک پر ظاہر کروں اور جہاں جہاں موقع ملیگا یہہ فرق انشاء اللہ ظاہر کرونگا۔ اس سلسلے کے دیکھنے والے ضرور یہہ بات کہیں گے کہ اس شعر کو کاسیکو بدلا اور کیا سبب اس میں تغیر و تبدل کیا لہذا میں نے اپنا عندیہ ظاہر کرنا مناسب سمجھا ورنہ یہہ مخفف ہے وگرنہ کا۔

میں ہوں اور افسر کی آرزو کا دل | دیکھ کر تیرا دل ہنسیا جل گیا

یعنی اسے غالب میں اس شعر کا مصداق ہوں **س** کفر است در طریقہ ما

کینہ داشتن ۴ آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن - میرے دلہن کینہ اور
 عداوت نہیں ہے اور اگر کبھی کچھ عداوت ہوتی ہے تو میں ظاہر
 کر دیتا ہوں اپنے دل میں چھپا کر نہیں رکھتا - میں صاف باطن اور بالکل
 ہوں جیسے کہ دنیاداروں کا طریقہ ہے مرزا نے ایک دوسری جگہ کہا ہے
 ۵ جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے وگرنہ ہم ۶ سر جاسے یا ہے
 نہ رہیں پر کہے بغیر - مگر میں نے جب دنیاداروں کو دیکھا تو ان کو ان
 آیتوں کے مطابق پایا **وَإِذْ أَلَقْنَا عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا
 خَلَقْنَا إِلَى شَيْءٍ ظَنُّهُمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ طَائِرِينَ** تو نہ کہہ سکتے ہیں
 اور خندہ روئی و کشادہ پیشانی سے پیش آتے ہیں مگر باطن میں گوشت
 کے بہو کے اور لہو کے پیاسے ہیں اور دل میں سخت کینہ و عداوت
 رکھتے ہیں اور مخفی طور سے نقصان پہونچانے میں مشغول و مصروف ہیں -
 جب میں نے دنیاداروں کی دورنگی اور دوروئی دیکھی تو میرا دل ان کے
 برے اخلاق سے افسردہ ہو گیا اور مجھ کو رنج ہوا بلکہ میرا دل جل گیا - یہ شعر
 علم اخلاق کے متعلق ہے اور قائل نے اس میں اخلاق حمیدہ کو اختیار کر نیکی
 ترغیب و تحریص دی ہے اور ایسے ہی اشعار ان **مِنْ الشَّعْرِ لِحَمَّتْ كَيْ
 مَصْدَاقِ** ہوتے ہیں - مطلب یہ کہ آدمی کو چاہیے کہ اپنا ظاہر و باطن
 یکساں رکھے - میں ہوں اور افسردگی کی آرزو یعنی میرے لئے
 افسردگی کی آرزو لازم ہے - اور ملازمہ کا ہے - تپاک = محبت کے
 جوش و خروش کو کہتے ہیں - طرز = یعنی طریقہ اور طور اور وضع -

اہل = یہ لفظ واحد اور جمع کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس لفظ کی یہ خاصیت ہے کہ دونوں طرح یعنی مفرد اور جمع آتا ہے مگر اکثر جمع کے معنوں میں آتا ہے جیسے اہل حرفہ اور اہل قلم اور اہل ذمہ اور اہل کتاب وغیرہ یہ لفظ حقیقت میں واحد ہے اور مالی اسکی جمع آتی ہے اور فارسی میں اہالیان اسکی جمع الجمع ہے۔ واحد کی مثال بہارِ عم میں لکھا ہے۔ شہر بادشاہ ہے ام کرد کہ خیمہ بستر ہتیا سازند عملہ فراکشخانہ خیمہ دوزان بسیارے فراہم آوردند یا لان دوزے ہم دران مجمع حاضر شد پر سیدندش کیستی گفت من اہل نیچہ ام۔ واحد کی دوسری مثال اہل زبان ہے یعنی صاحب زبان خوشہو لفظ ہے غالب منادی یعنی اسے غالب۔ کہ = کاف تغلیل ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں۔ دل فاعل اور جل گیا فعل لازمی ہے۔

شوق ہر رنگ رقیب و ہر سامان کجا | قیس تصویر کے وہ بین بھی بیان کلا

مرزا صاحب نے عود ہندی میں جو رقعات مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام لکھے ہیں انہیں ست ایک قہ میں اس شعر کے معنی اس طرح تحریر فرماتے ہیں شوق ہر رنگ رقیب بمعنی مخالف یعنی شوق ہر سامان کا دشمن ہے۔ دلیل یہ کہ قیس جو زندگی میں ننگا پڑا پھرتا تھا تصویر کے پردہ میں بھی ننگا ہی رہا لطف یہ ہے کہ مجنون کی تصویر باتین عریان ہی کہنچتی ہے جہاں کہنچتی ہے انتہی کلامہ۔ اس شعر کے معنی بیان کرنے کی یہ پہچان ہوگی

کہ مرزا کے معاصرون نے اس شعر کو اور میرزا کے اور بعض شعرا کو مہمل و
بے معنی قرار دیا تھا چنانچہ مرزا نے رقعہ کی ابتدا ان الفاظ کے ساتھ
کی ہے کہ قبلہ پہلے معنی ابیات بے معنی تھے فقط - لفظ رقیب کے
کئی معنی ہیں مگر اس شعر میں رقیب بمعنی دشمن و مخالف ہی آیا ہے مرزا صاحب
کا یہ بیان کہ مجنون کی تصویر باتن عریان ہی کہنچتی ہے محل تاثر ہے
کیونکہ باتن عریان نہ کہنچے گی تو اور کیا ہوگی - ہر شخص کی جیسی حالت اور
صورت اور شکل ہوگی ویسی ہی تصویر ہوگی - یہ تو ہونہیں سکتا کہ مصوّر
بد صورت کو خوبصورت یا خوبصورت کو بد صورت یا عریان کو بالباس
اور بالباس کو عریان بنا دے خصوصاً فوٹو گرافی میں یہ بات
ناممکن ہے - اگر کسی مصور نے قلبی تصویر میں ایسا کیا بھی تو وہ تصویر اصلی
اور حقیقی نہوی بلکہ جعلی اور غیر حقیقی ٹھہری پس مجنون جو لیلی کے عشق
میں لباس سے بھی قطع تعلق کیا تھا اور اُس کے جوش و خروش
عشق میں تنگاہی پڑا ہوا تھا اُسکی سچی تصویر برہنہ اور ننگی نہوگی تو بالباس
کیونکر ہوگی اگر کسی مصور نے اُسکی تصویر بالباس بنائی بھی تو واقعہ اور
اصلیت کے خلاف بنائی یا اُسکو اُس زمانے کی تصویر سمجھنا چاہئے
جسکہ مجنون بالباس رہتا تھا - لہذا مرزا صاحب کا یہ بیان کہ مصرع
فیس تصویر کے پردے میں بھی عریان نکلا محل تاثر ہے اور اعتراض
کرنیوالوں کا اعتراض قرین قیاس معلوم ہوتا ہے - اس شعر پر ایک
دوسرا اعتراض جو میری جانب سے ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ پردہ میں

عریان نکلا ایک بے معنی اسی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ جو چیز درے میں
 ہوگی وہ عریان کیونکر ہوگی۔ ایسے تراکیبے اجتناب کرنا چاہئے
 اگر اجتناب و احتراز نہ کیا جائے تو کلام ضرور مہمل اور بے معنی ہو جاتا ہے
 اور مقصود قابل میں بے انتہا تعقید پیدا ہو جاتی ہے۔ تاویل میں تو
 بہت کچھ گنجائش ہے مگر عوام کے پاس۔ اہل علم کے نزدیک تاویلات
 بارہ گوزشتہ سے بدتر ہیں۔ شوق = شوق کے اصلی معنی خواہش و آرزو کے
 ہیں مگر فارسی میں اخیر زمانہ کے شعرا کے کلام میں شوق بمعنی عشق کثرت سے آیا ہے۔
 ہر رنگ = یعنی ہر طرح ہر وضع ہر طور سے رقیب۔ اس شعر میں بمعنی دشمن و عدا
 آیا ہے رقیب کے مشہور معنی ایک معشوق کے دو عاشق یا کئی عاشق اس نام سے
 آپس میں نامزد ہوتے ہیں یہاں مقصود نہیں ہیں۔ عریان = ننگا۔ برہنہ
 پہلے مصرع کے پہلے معنی ہیں کہ عشق و عاشقی ہر طرح سے مافی
 مال و اسباب کی دشمن ہے۔ یہ دعویٰ ہوا۔ اسکی دلیل یہ ہے جو
 دوسرے مصرع میں مذکور ہوتی ہے کہ مجنون تصویر کے حجاب میں
 بھی عریان نکلا یعنی مجنون کو تصویر میں بھی لباس نصیب نہوا۔ اس مقصود
 قابل اس قدر ہے مگر دوسرے مصرع کے الفاظ ماسعد نہیں ہیں اور
 دلیل کا اعدام ہو گئی جیسا کہ مذکور ہوا۔ یہہ مطلع اس طرح ہوتا تو قریب الفہم
 اور سلیس ہوتا۔ **ع** عشق ہر طرح عدوی سرو سامان نکلا + قیس تصویر
 کی حالت میں بھی عریان نکلا + یا **ع** عشق ہر رنگ عدوی سرو سامان
 نکلا + قیس تصویر کے عالم میں بھی عریان نکلا + مگر تاہم مضمون و معنی کے

لحاظ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اعتراض کی گنجائش باقی ہے + شاید مرزا کا مقصد اس تصویر سے جعلی تصویر ہے مگر اس حالت میں مضمون کی نئے لفظی اور بناوٹ ظاہر ہے + رقیب سرو سامان میں اشباع اضافت ہے اور اشباع اضافت فارسیوں کے پاس جائز ہے - پہلے مصرع میں نکلا کی جگہ باشد یا آمد لکھ دیجئے تو سالم مصرع فارسی ہے مصرع شوق ہر رنگ قیپ سرو سامان باشد - سرو سامان یعنی مالِ ابا .

رحم نے داندی تنگی دل کی یاز | تیر بھی سینہ دل سے پرافشان نکلا

داؤدینا = انصاف کرنا - عدل کرنا - ادا سے حق کرنا - یہ فارسی محاورے یعنی داد دادن کا ترجمہ ہے - بسمل = یہ لفظ فارسی الاصل نہیں ہے بلکہ مستحضر ہے کیونکہ بسم اللہ سے بنایا گیا ہے - اس کے معنی میں ذبح کرنا - چنانچہ خواجہ آصفی رحم فرماتے ہیں **س** قاتل من چشم می بندد و بسمل مراد تا بماند حسرت دیدار او در دل مراد و بسمل = یعنی ذبح کرنے کے وقت - اور میرزا جانی غیرتی رحم کہتے ہیں **س** ذوق تیغ تو مراداشت چنین رقص کنان + این طلیدین نہ مرا از جہت بسمل بود - از جہت بسمل = یعنی ذبح کرنے کے سبب سے + بسمل کے معنی ذبیحہ اور مذبح بھی آئے ہیں اور مرزا نوشاہ کے اس شعر میں بسمل بمعنی مذبح یعنی ذبح کردہ شدہ جبکہ ذبیحہ بھی کہتے ہیں آیا ہے پرافشان = بالافشان کا مترادف ہے

یعنے اڑتا ہوا۔ پرواز کرتا ہوا۔ یہاں اسم حالیہ ہے۔ چونکہ حسب کوئی
 پرندہ ہوا میں اڑتا ہے تو اکثر اس کے پروں کو ایسی حرکت اور
 جنبش ہوتی ہے جو کسی چیز کے جھٹکنے یا چڑکنے سے مشابہت پیدا
 کرتی ہے لہذا فارسی میں پرندوں کے اڑنے کو بال افشاندن اور
 پرافشاندن ہی کہتے ہیں۔ افشاندن کے معنی میں جھپٹنا۔ پھرنے
 پچھوٹنا۔ حرکت دینا کسی چیز کو بطریق معہود جیسے پرافشاندن یعنی
 پروں کو حرکت دینا۔ گرد افشاندن = گرد جھٹکنا۔ تنگ اور چھوٹے
 مقاموں میں سے جو چیز نکلتی ہے شدت وحدت وسرعت کے ساتھ
 نکلتی ہے جیسے دریا کا پانی دو پہاڑوں کے درمیان گھٹ کر بہتا ہے
 تو بڑے زور وشور سے بہتا ہے جس جگہ پھیل کر بہتا ہے وہاں وہ
 زور نہیں رہتا اور دیر دیر بہتا ہے لہذا شاعر کہتا ہے کہ میرا دل
 اس قدر تنگ اور چھوٹا ہے کہ جو تیرا سہم سے کلا بسبب تنگی کے
 اڑتا ہوا اور حدت وسرعت کے ساتھ نکلا۔ اس لئے شاعر خرم دل
 سے تنگی دل کی داد طلب کرتا ہے۔ اس شعر کے مضمون میں بسبب
 لفظ دل وسینہ کے مبادعت ہو گئی ہے کیونکہ قائل کا مقصود تو یہ ہے
 کہ تیرا ہی دل بسبب سے پرافشان کلا مگر چونکہ مصرع موزون نہ ہوتا تھا
 لہذا ضرورت وزن کے لحاظ سے دل کی جگہ سینہ کہہ دیا جس سے
 معنی شعر میں بعد اور دوری پیدا ہو گئی اور مرزا کا یہ مطلب بھی کہ شعر
 بعید الغہم ہوا کرے حاصل ہو گیا۔

دل حشر زدہ تھا مائدہ لذت درد کا یاروں کی بقدر لب و دندان نکلا

حشر زدہ = حشر کا مارا ہوا۔ یعنی پُرجھرت اور حشر والا۔ حشر کے حقیقی معنی دریغ اور افسوس اور پشیمانی اور شرمندگی کے ہیں اور مجازی معنی آرزو و تمنا و ارمان کے ہیں۔ مائدہ لذت درد = لذت درد کا دسترخوان یعنی وہ دسترخوان جس پر درد و غم کی لذتیں اور آفات و مصائب کی غذائیں اور رنج و الم کی نعمتیں چنی ہوئی ہیں۔ مائدہ یعنی دسترخوان۔ کام نکلنا = برآمدہ کا کی ہونا۔ مطلب نکلنا۔ امید برآنی حاجت روا ہونی۔ یہہ کار برآمدن کا ترجمہ ہے۔ بقدر لب و دندان = یہہ فارسی زبان کی اصطلاح ہے اُسکے معنی میں بقدر استعداد کے اور بقدر لیاقت کے۔ تو معلوم ہوا کہ فارسی کی اصطلاح میں استعداد اور لیاقت کو کنایتہ لب و دندان کہتے ہیں۔ چنانچہ فارسی والے کہتے ہیں کہ لب فلان چیرنیت و دندان فلان چیرنیت یعنی استعداد اور لیاقت اور شایستگی اور حوصلہ فلان چیر کا نہیں ہے اور فارسی میں دہن فلان چیر و دمان فلان چیر بھی کہتے ہیں جیسے زید دہن این کا زرد۔ یعنی زید کو اس کام کی لیاقت نہیں ہے مگر طغرا کہتے ہیں ۵ مارا لب چشیدن صہبائے وصل نیت + این بادہ را مگر بلب گل توان چشید + یعنی شراب وصل کے چکھنے کی لیاقت ہمو حاصل نہیں ہے۔ شاعر نے اپنے دل حشر زدہ کو لذت

درد کا ماندہ قرار دیا ہو اور کہتا ہو کہ بقدر ہمارے جوصلے کے اور بقدر ہمارے قیاس کے اس دسترخوان سے ہمارا کام کھلا یعنی ہم نے اپنے جوصلے کے وافق نعم کیا یا۔ یاروں کا یعنی ہمارا یا میرا کیونکہ اردو زبان کا محاورہ ہے کہ کہی بے کافی کی بات چیت میں اور سادہ پن سے یاروں کا لفظ ضمیر شکلم کی جگہ میں کہتے ہیں۔ چنانچہ استاد ذوق فرماتے ہیں ۛ نہوا پر نہوا میر کا انداز نصیب ۛ ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا ۛ یاروں نے یعنی ہم نے یا میں نے۔ مرزا غالب کے پہلے مصرع میں تھا کی جگہ بدر کھائی گئے تو سالم مصرع فارسی ہے مصرع دل حسرت زدہ بد ماندہ لذت درد۔ بد مخفف ہے بد کا۔

ہی نو آموز فاضل و شوار پسند	سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی سان بکلا
-----------------------------	------------------------------------

نو آموز = مبتدی۔ آئینہ زندہ نو۔ جو ابھی سیکھنے کے لئے بیٹھا ہوا یا پہلے دن سے سیکھنا شروع کیا ہوا سکون فارسی میں نو آموز کہتے ہیں۔ یہ اسم فاعل ترکیبی ہے ہمت = یعنی غم و ارادہ۔ یہاں ہمت موصوف اور دشوار پسند اسکی صفت ہے۔ موصوف اپنی صفت سے ملکر یعنی ہمت دشوار پسند مبتدا ہے۔ اور نو آموز فاضل اسکی خبر اور سے حرف رابطہ ہے۔ دشوار پسند = یعنی پسند کنندہ دشوار اور مشکل کاموں کو پسند کرنے والی۔ یہ اسم فاعل ترکیبی ہے سخت یعنی بہت۔ بڑی اور بڑا ۛ مشکل اور آسان صنعت تضاد ہے۔ حال یہ کہ مرحلہ فنا کو طے کرنا ہر ایک شخص سے ہو نہیں سکتا۔ مگر ہم نے اسکو

باسانی طے کر دیا۔

دل میں پھر گریہ نہ کشتو اہلایا غاب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا طوفان نکلا

گریہ - یعنی رونا۔ اس لفظ کے کاف کو کسہ ہے یہ لفظ گریہ تن کا حاصل بالمصدر ہے۔ فارسی میں گریہ تاک اور گریہ رگ تاک اور گریہ چسراغ اور گریہ خامہ اور گریہ دولاب اور گریہ روحانی اور گریہ شادی اور گریہ شمع اور گریہ شیشہ اور گریہ گاہ اور گریہ مندا اور گریہ ناگ اور گریہ گر اور گریہ ماسے ماسے اس لفظ کے مرکبات ہیں۔ چونکہ اردو زبان درحقیقت فارسی زبان کی ایک شاخ اور شعبہ ہے لہذا اردو کے ان مرکبات کو اپنے اشعار میں مناسب مواقع پر استعمال کر سکتے ہیں اور اسی غرض سے میں نے ان مرکبات کو یہاں درج کیا ہے اور آئندہ بر محل و بر موقع ایسے مطالب اس رسالے میں درج کئے جائینگے کیونکہ زبان کی ترقی اور کلام کی جد و تازگی ایسی ہی باتوں سے ہوتی ہے شور اٹھانا۔ یعنی شور قائم کرنا اور شور برپا کرنا۔ شور کے معنی یہاں آشوب و غوغا و فساد کے ہیں لفظ شور طوفان کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے یعنی طوفان کے لئے شور کا ہونا لازم و ملزوم ہے اور یہہ تناسب طوفان کی ذات کے متعلق ہے لہذا اس شعر میں لفظ شور سے صنعت مراعات النظم پیدا ہو گئی۔ غالب = سادہ یعنی اے غالب۔ اسی حرف نذا محذوف ہے۔ آہ = منجملہ اصوات کے ہے اور حسرت و افسوس و غم کے

موقع پر یہ کہہ دو۔ تیر میں اور اسکا شفق اہ بغیر دے کے صبح اور سہل ہے
چنانچہ حکیم سنائی رح کہتے ہیں **سہ** اگر تراویح تن زندہ کن اور تراویح
حق زندہ کن۔ **طوفان**۔ بالضم باران سخت اور آب سخت جو زمین
میں سے نکلے اور سب چیزوں کو غرق کر دے اور یہ اس لفظ کے حقیقی
معنی ہیں۔ اور ڈوبنے والی سیل کو بھی طوفان کہتے ہیں اور ہر ایک
چیز جو کثرت سے ہو اور ہر شی جو اس قدر غالب ہو جائے کہ سب چیزیں ان کو
گھیر لے اور کل اشیاء پر غالب آجائے اسکو بھی طوفان کہتے ہیں جیسے
طوفان ہوا اور طوفان آتش **طوفان** بے تیزی وغیرہ مجازی معنی ہیں۔ اس کے
مرکبات۔ طوفان خسوف و خس اور طوفان خیر۔ اور طوفان بھج اور طوفان رسیدہ
اور طوفان زرا اور طوفان زدہ اور طوفان طراز اور طوفان کدہ اور طوفان
نژاد ہیں۔ یعنی اسے غالب میرے دل میں بار دیگر گریہ نے ایک شور
اٹھایا ہے لہذا افسوس ہے کہ جو قطرہ آنسو کا میری آنکھوں پر پیشتر نہ کلا تھا
اب طوفان ہو کر کلا ہی یعنی جو قطرات دل میں رہ گئے تھے اب طوفان کی شکل
میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر شور اول میں ہی یہ قطرات
نکل گئے ہوتے۔ اس شعر میں بار دیگر شور کے نہ اٹھنے کی تمنا پائی
جاتی ہے۔ اور یہ تمنا یہاں لفظ آہ کے استعمال سے ظاہر ہوتی ہے
یہ شعر صاف ہے اور معنی اسکے ہو یا میں اس شعر کی شرح میں ہیں
صرف نظم کو نشر میں لکھا ہے کوئی دوسرا بھاری کام نہیں کیا ہے
کیونکہ شعر کا مضمون آشکار ہے۔ میری رائے ناقص میں اس شعر کے

مضمون میں ضبط کی قید لگانی زیادہ ضرورت ہے یعنی بوجہ ضبط نہ نکلا تھا کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ قطرہ اشک بوجہ ضعف و ناتوانی یا بوجہ عدم موجودگی یا بوجہ عدم ضرورت یا شور اول کے رفع ہو جانے کی وجہ سے نہ نکلا ہو۔ بہر حال قیود مذکورہ کی پابندی کوئی ضروری چیز نہیں ہے کیونکہ شعر کا مضمون صرف اس قدر ہے کہ پہلے ہم روتے روتے ہم گئے تھے اب پھر رونا شروع کر دیا۔

دہلی میں مر گیا جو باب نہر تھا | عشق نہر پیشہ طلبگار مرد تھا

دہلی = ڈرانے والی بات اور تہدید و تحوّل کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ نوشہ جی = یعنی جو شخص دل ورجو آدمی۔ نہر = بروزن نکر درزم و کارا راور لڑائی و جنگ کو کہتے ہیں۔ اصل میں یہ لفظ نور تھا اور اس کا مصدر نورید ہے فارسی میں بے اور وا آپس میں تبدیل پاتے ہیں اسی لئے نور کو نہر کہتے ہیں نہر پیشہ = وہ آدمی جس کا پیشہ جنگ اور لڑائی ہو۔ دہلی دینے کی یہ وجہ ہے کہ جو شخص عشق کے سامنے آیا ہے وہ عشق کے لائق اور قابل نہیں ہے بلکہ بزدل اور زن صفت ہے لہذا عشق اُس کو اپنے ناقابل جانکر دہلی دیتا ہے اور چونکہ وہ آنے والا حقیقت نا لائق عشق ہے لہذا صرف عشق کی دہلی ہی میں اُس کا کام نام ہو جاتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔ یہاں یہ بات ثابت ہوئی کہ عشق و عاشقی مرد کا کام ہے اور رجاں پہلوان صفت ہی اس فن کے لائق ہیں۔ اس شعر کے دوسرے مصرع میں تھا کی جگہ

بود لکھد بجئے تو سالم مصرع فارسی بجاتا ہے مصرع عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد بود
عشق موصوف اور نبرد پیشہ اُسکی صفت ہے۔

تھا زندگی میں گک کا لکڑ کا لگا ہوا | اڑنے پر پیشہ بھی رانگ تھا

یعنی چونکہ مجکو حیات میں موت کا اندیشہ لگا ہوا تھا لہذا مجکو زندگی کا اظہار
حاصل نہوا اور میری زندگی خوف و ہراس میں کٹی جو آنے والی موت کی
وجہ سے مجھ پر غالب ہو گیا تھا اور اسی ہراس و ترس کے سبب ت میرا
رخ یا رنگ جسمانی زرد رہتا تھا یعنی حیات میں جب موت مجکو یاد آتی تھی
تو موت کے خوف سے میرا خون خشک ہو جاتا تھا اور میرا رنگ زرد ہو جاتا
تھا۔ قائل نے اس شعر میں اپنے کو انتہا درجہ کا خوف زدہ مرگ قرار دیا ہے۔
زندگی یعنی حیات کہٹکا = یعنی اندیشہ اور یہ مجازی معنی میں حقیقت
میں کہٹکا بانس کے یا لکڑی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔

تالیف نسخہ طے فاکر ہا تھا میں | مجموعہ خیال بھی فرد فرد تھا

قائل نے اپنے کو عہد طفلی سے وفادار قرار دیا ہے اور کہتا ہے کہ ابھی میرا مجموعہ
خیال فرد فرد تھا یعنی میرا مجموعہ خیال کم عمری کے زمانہ میں جمع نہوا تھا
بسبب کم عمری اور خورد سالی کے مگر باوجود اس کے میں کتب و فاداری
کی تالیف کر رہا تھا یعنی وفادار تھا۔ نسخہ ہا یعنی کتابیں فرد فرد تھا
یعنی پریشان تھا۔ مکرر۔ قائل نے اُس زمانہ سے کہ مجموعہ خیال یعنی

مجموعہ شعور و تہذیب جمع نہوا تھا اپنے کو فتنہ ٹاٹے وفا کا مولف قرار دیا ہے۔ یعنی
میں کم سنی سے عاشق و فادار ہوں اور بچپن سے وفا شعار ہوں۔

دل تا جگر کا ساحلِ یابی خیم ہے اب | اس رہگذر میں جلوہ گل گر کرتھا

کہتا ہے کہ ہم پشتر ایسے نازک مارغ اور نازک مزاج تھے کہ سببِ نازک مزاجی کے
جلوہ گل بھی جو ایک نفیس شی ہے ہمارے دل و جگر پر گرد و خاک کی طرح ناگوار
اور ناپسند تھا مگر اب زمانہ ناہنجارا اور چرخ کچ رقرار کیو جب سے یا عشق و عاشقی
کے سبب ہمارا یہ حال ہے کہ ہمارے دل سے لیکر جگر تک ایک دریای
خون کا ساحل ہے یعنی دل اور جگر دریای خون کے دو کنارے ہیں
اور ان دو ساحلوں کے بیچ میں دریای خون ہے حاصل یہ کہ عشق و عاشقی
یا زمانہ نا موافق کیو جب سے ہم خون پیتے ہیں اور غم و غصہ کہاتے ہیں اور
اب ہماری نازک مزاجی باقی نہیں رہی کیونکہ غم و غصہ میں مبتلا ہیں اور
عشق و عاشقی کے مصائب نے ہلکے گہیر لیا ہے۔ جلوہ گل مبتلا اور گرد
اسکی خبر ہے۔ دل تا جگر یعنی از دل تا جگر۔ ایسے موافق پر از کا خد
کردینا فارسی میں جایز ہے۔ اس رہگذر میں یعنی از دل تا جگر۔ اس
شعر میں گل کے لفظ سے نازک مزاجی کا مضمون پیدا ہوتا ہے۔ دل
اور جگر اور خون اور گل صنعتِ مراعاتِ النظیر ہے اور تناسب یعنی وجہ
مناسبت دل و جگر میں ذات ہے کہ یہ دونوں اعضا میں اور خون و گل
میں صفت یعنی رنگ ہے کہ یہ دونوں سرخ رنگ اور لال ہوتے ہیں

جانی ہو کوئی کشمکش اندوہ عشق کی دل بھی گر گیا تو وہی لکاو دیتھا

کوئی = تذکرہ اسلئے آتا ہے۔ فارسی میں ان معنوں کے لئے کہی
لفظ پیچ اور اکثر یا سے تھانی مستعمل ہوتی ہے۔ اس موقع پر پیچ کا
لفظ بولا جائیگا اس طرح شمشیر کی کشمکش اندوہ عشق نہی رووے۔
کشمکش یعنی کینیا تانی اور فریادیں متواتر۔ اندوہ = ہر روزانہ
کوہ غم و الم اور گرفتگی دل کو کہتے ہیں اسکا مخفف اندہ بغیر وا کے آیا ہی
جیسا کہ مرزا ہدایت مرحوم کہتے ہیں صریح اندہ بخن کشیدہ لقم۔ وہی اپنے بیان
پہلے صریح کے یہ معنی ہیں کہ اندوہ عشق کی کوئی کشمکش نہیں جاتی ہے
اور اس صریح میں استفہام انکاری ہے۔ شعر صاف ہے۔

اجاب چارہ سازی و حشر کے زندان میں بھی خیال بان نور دیتھا

چارہ سازی = یعنی تدبیر و علاج۔ وحشت یعنی گہرے زندان =
قید خانہ و محبس۔ خیال = بالکسر و جم و گمان۔ سیابان نور = اسم
فاعل ترکیبی ہے اس کے معنی میں جنگل کو طے کرنے والا۔ نور دامن کا
صیغہ ہے نور دیدن سے۔ کہتا ہے کہ جوش جنون میں نے چاہا تھا
کہ جنگل کی طرف نکل جاؤں مگر میرے اجاب نے میری حیر خواہی کے
لحاظ سے مجھ کو قید خانہ میں مقید کیا تاکہ میں جنگل کی جانب جاؤں
اور ہلاکت سے میری نجات ہو اور میں صحیح المزاج ہو جاؤں مگر کیا فائدہ

اُن کی یہ تدبیر مفید اور منجھ ہو سکی کیونکہ میں جب زندان میں داخل ہوا تو عین زندان میں جنگل اور صحرا کی طرف میرا خیال دوڑ گیا اور بیابان میں میرا خیال میرے عوض میں پھرنے لگا اگرچہ میں نے خود بیابان میں گشت نہیں لگائی مگر میرا خیال برابر بیابان میں گشت لگاتا رہا ظاہر ہے کہ خیال کی رسانی ایک دم میں عرش تک ممکن ہے پھر خیال کہ بیابان میں پہنچنے کے لئے کیا دیر تھی اگر کوئی شخص اپنے عالم خیال میں یعنی گشت و ہم میں یہ سمجھ لے کہ میں عرش پر بیٹھا ہوا ہوں تو یہ بات خیال کی راہ سے کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ خیال وہم کو کہتے ہیں اور قوت و ہم یہ وجود اشیا اور حقائق احوال کی محتاج نہیں ہے۔ کوئی شے موجود ہو یا نہ ہو جب خیال اور وہم میں کوئی شخص اُس کا تصور کرے تو اُس کو خیال میں اسی طرح محسوس ہوتی ہے اگرچہ درحقیقت اُس کا وجود نہیں ہے اور اسی واسطے غیر موجودہ اور معدوم اشیا کو خیالی بائین اور خیالی پلاؤ کہاتے ہیں۔ اس شعر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ خیال نے زندان کو عین بیابان تصور کر لیا اور زندان میں گشت لگاتا رہا کیونکہ اُس کو جنگل سمجھ لیا ہے اور ہمیں وہی وحشت حاصل رہی جو صحرائین ہوتی ہے لہذا اجاب سے چارہ سازی وحشت نہوسکی۔

یہ لاش نہ کیفنِ خستہ جانی ہے حقِ بغفرتِ عجب آزادِ مرتضیٰ

یہہ = اسم اشارہ قریب۔ لاش = لاشہ و مُردہ جسم۔ نے لے کفن۔

جسکو کفن نہ ہو بے نفی کی واسطے آتا ہے۔ خستہ جان = وہ شخص
 جسکی جان خستہ اور زخمی ہو۔ اسکے مجازی معنی تھکا ہوا اور ماندہ کے
 ہیں۔ خستہ کے معنی مجروح و افکار و زخمی کے ہیں اور یہ لفظ بالفتح
 ہے اور خستہ جگر و خستہ دل و خستہ حال و خستہ روان اسکے مرکبات
 ہیں اور خستہ جان اسم صفت مرکب ہے۔ مغفرت = بخشنا۔ معافی
 بخشش۔ فارسی میں مغفرت کو بخشیدن کہتے ہیں۔ عجب = حیرت و تعجب
 اور شگفت کے معنوں میں آتا ہے۔ چنانچہ خواجہ حافظ شیرازی رحم
 فرماتے ہیں ۵ زانقلاب زمانہ عجب مدار کہ چرخ ۶ ازان فسانہ ہزاران
 ہزار وار و یاد ۷ عجب مدار یعنی حیرت نکر اور تعجب نکر۔ مگر یہ لفظ کبھی
 عجیب و غریب و نادر کے معنی بھی دیتا ہے اور بمعنی اسم فاعل آتا ہے
 چنانچہ اس شعر میں اسم فاعل کے معنی ہی دیتا ہے۔ عجب آزاد یعنی
 عجیب آزاد۔ یعنی حق تعالیٰ غالب کو مغفرت کرے اور بخشد بے سبب
 اسکی آزادی اور مسکینی کے کیونکہ اکثر آزاد لوگ غریب و مسکین
 ہوتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ کو مغفرت
 کرے۔ کونسی ایسی نیکی اور بہلائی کی ہے جس سے مغفرت چاہتا
 اسکا جواب یہ ہے کہ سبب آزادی کے مغفرت کرے کیونکہ آزادی
 جو تھی تو وہ فقر و فاقہ و غریبی کی وجہ سے تھی اور غریبی کے سبب کفن تک
 نصیب نہیں ہے اور جو سلمان غریب نیک مزاج ہو گا وہ مستوجب
 مغفرت کا ہو گا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ الفقیر فخری اور

بَدَا لَا إِسْلَامَ غَيْرِهَا وَسَيَعُونَ كَمَا بَدَأَ فُطُوْا بِي لِلْغُرَبَا - اور آزاد لوگ اکثر حق گو اور حق پسند ہو کر تے ہیں لہذا حق گوئی اور حق پسندی جو سبب آزادی کے قائل کو حاصل تھی وہ بھی مغفرت کا باعث ہو سکتی ہے اور درحقیقت آزادی اسلام کا نام ہے۔ قائل نے اپنے کو شخص مردہ قرار دیا ہے اور یہ کلام یعنی یہ لاش بے کفن الخ اور حق مغفرت کرے الخ فرضی غیر شخص کا کلام ہے۔

تاما شاہی یک گفت در این دنیا

شمار سجدہ غوبت مشکل پند آیا

شمار = یعنی حساب اور گنتی۔ یہ شہ مردن سے امر کا صیغہ ہے اور یہاں بمعنی حاصل صد آیا ہے سجدہ = یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ لفظ بالضم سے یعنی ضمہ کے ساتھ آیا ہے بعض لوگ اسکو فتح کے ساتھ بولتے ہیں مگر فتح کے ساتھ بولنا غلط ہے۔ تسبیح کو کہتے ہیں۔ اور سجدہ دار اور سجدہ گزار اور سجدہ گردان اور سجدہ وراس کے مرکبات ہیں بت = حقیقت میں اس شکل کو کہتے ہیں جسے ہندو لوگ پتھر وغیرہ سے تراش کر بوجھتے ہیں چنانچہ حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مَنُو می بستے ویدم از عاج در سونہات ۛ مَرَصَع چو در جاہلیت منات ۛ چنان صورت شب تہ مثال گر ۛ کہ صورت نہ بند از ان خوب تر ۛ عربی میں صنم کہتے ہیں اور صنم کی جمع اضنام آتی ہے۔ اور بت اشرفی اور بت زر اور بت تراش اور بت خانہ اور بت شتان اور بت شکن

اور بہت کدہ اور بہت گریخت کے مرکبات میں۔ مگر اسکے مجازی معنی
یہ نہیں ہیں بلکہ مجازاً عاشق اپنے معشوق کو بہت کہتا ہے کیونکہ عاشق
اپنے معشوق کو انتہا درجہ میں عزیز جانتا ہے اور دوست رکھتا ہے جس طرح
منہ و بہت حقیقی کو دوست رکھتے ہیں لہذا اسکے مجازی معنی معشوق اور
محبوب کے ہیں مرغوب = یعنی پسندیدہ اور غربت کیا ہوا۔ مشکل پسند
یعنی دشوار پسند اور مشکل کو پسند کرنے والا۔ یہاں سم فاعل ترکیبی ہے۔
مشکل اسم اور پسند امر کا صیغہ ہے پسندیدن سے تماشاً = اصل میں یہ
لفظ تماشائی ہے اسکے معنی میں باہم پیادہ چلنا اور فارسی میں دیکھنے اور
نگاہ کے معنی ہیں۔ یہاں دیکھنے کے معنی مراد ہیں اور تماشخانہ
و تماشگرہ و تماشگاہ و تماشاگر و تماشاخی اس کے مرکبات ہیں۔ دل
برون = یعنی دل لیجانا۔ معشوقی کرنی۔ دلبری یعنی معشوقی۔ شاعر
کہتا ہے کہ عابدون کا یہ کام کہ ستودانوں کی تسبیح پاتھ میں رکھتے ہیں
معشوق کو مرغوب آیا کیونکہ دائۃ تسبیح کو دل کے ساتھ شبیہ ہے لہذا
معشوق سمجھتا ہے کہ میں بھی اسی طرح ایک دم میں ستودل اڑاؤں گا جس طرح
عابدون کے ہاتھ میں ستودانوں کی ایک تسبیح ہے۔ اسی طرح میرے
ہاتھ میں ستودل آجائیں گے اور اسی عنوان سے میں دلربائی اور دلبری
کروں گا۔ ۵ شمار سب مرغوب بہت مشکل پسند آمدہ تماشائے بیکش
برون صد دل پسند آمدہ آیا کی جگہ آمد رکھ دینے سے سالم مطلع فارسی
ہو گیا۔ مرزا غالب بے انتہا مغلوب الفارسی ہیں۔

بہ فیض بیداری نو مید جاوید آسان ہے کشائش کو ہر عقدہ مشکل پسند آیا

یعنے عاشق لوگ ہمیشہ نا امید اور مایوس ہوتے ہیں کیونکہ ان کو وصال معشوق کی امید نہیں ہوتی۔ اور نو میدی عاشقی کا فیض ہے جو عاشقوں کو ملا، اور عاشقی کے فیض سے نو میدی جو ایک کٹھن اور مشکل چیز ہے آسان ہو گئی ہے۔ امیدوار بودہ بعافیت باشد کا سامضمون ہے۔ جب دل باختہ یعنی دل عاشق شدہ کا یہ حال ہے تو گویا کشائش کا راجحصول عا ہو چکا یعنی وصال معشوق حاصل نہوگا۔ کشادکار نے عاشقوں کے لگو پسند کر لیا ہے۔ کشادکار شینع و طنر کی راہ سے کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عاشقوں کے دل کی کشاد و شگفتگی نہیں ہوتی اور ہمیشہ کا عشاق بند ہوتا ہے ہماری کشائش کچھ نہیں اور صرف نو میدی ہماری کشائش کا نام ہے اور جب کو نو میدی کہتے ہیں وہی ہماری کشائش ہے بیدلی = عاشقی نو میدی = مایوسی۔ جاوید = دوام۔ ہمیشہ کشائش کو پسند آیا یعنی کشائش نے پسند کیا۔ عقدہ مشکل = دل باختہ یعنی دل عاشق شدہ وہ دل جو عاشق ہو گیا ہے اسکو دل باختہ باضافت کہتے ہیں اور یہاں عقدہ مشکل سے دل باختہ مراد ہے اور یہ استعارہ ہے۔ اس شعر کے پہلے مصرع میں ہے کی جگہ است لکھ دینے سے پورا مصرع فارسی ہو جاتا ہے مصرع بہ فیض بیداری نو میدی جاوید آسان است۔

ہو اب ہیر گل آئینہ بہ مہر قاتل کہ از خون غلید بسا پسند آیا

قاتل سے مراد معشوق ہے اور پہلے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ معشوق کے
 جور و جفا اور اُس کے ظلم و ستم کی نمائندہ یعنی دکھانے والی یہ بات ہے
 کہ اُس کو سیر گل کی آرزو اور گلگشت کی خواہش ہوئی ہے۔ آئینہ کے حقیقی معنی
 مشہور ہیں جس کو عربی میں مرآة کہتے ہیں مگر یہاں مجازی معنی مرد میں
 اور مجازی معنی اس لفظ کے نمائندہ اور دکھانے والے کے میں کیونکہ
 آئینہ ایک آکر ہے جو صورتوں کو دکھاتا ہے۔ ہوا سے سیر گل مبتدا اور
 آئینہ بے مہری قاتل اس کی خبر ہے۔ ہوا کے مجازی معنی آرزو و خواہش
 و تمنا کے ہیں۔ ہوا اور گل اور آئینہ اور مہر اور خون اور بسل و خون و گل
 صنعت مراعاة النظیر ہے۔ اور وجہ مناسبت ہوا و گل میں فعل ہے کیونکہ ہوا
 پہلوں کو کہولتی ہے۔ اور آئینہ و مہر یعنی آفتاب میں صنعت وجہ مناسبت
 کیونکہ دونوں روشن اور صاف و شفاف ہوتے ہیں اور بعض آئینے آفتاب
 کی شکل پر مدور اور گول ہوتے ہیں مگر آئینہ میں تناسب کی وجہ صرف صفائی
 و روشنی ہے نہ شکل۔ آئینہ بھی روشن ہوتا ہے اور آفتاب بھی روشن
 ہوتا ہے۔ خون اور گل میں وجہ مناسبت صفت یعنی رنگ ہے کہ دونوں
 سرخ ہوتے ہیں اور خون و بسل بھی صنعت مراعاة النظیر ہے اور وجہ تناسب
 فعل ہے کیونکہ بسل سے خون نکلتا ہے اور خون کا نکلنا بسل کے ساتھ
 مناسبت رکھتا ہے۔ مرنے و حقیقت صنعت مراعاة النظیر کے متعلق
 یہ عجیب شعر کہا ہے جس میں کثرت سے مناسبات معنوی ہیں بسل یعنی
 مذبح۔ چونکہ بسل لہو میں لوٹتا ہے اور لہو کے رنگ سے سرخ ہو جاتا ہے

اور گل ہی سیر یا سرخ رنگ ہوتا ہے لہذا گل کو بسمل قرار دیا ہے اور کہتا ہے
 کہ گل گویا ایک بسمل ہے جو میرا یا خواں آلود ہے اور چار معشوق اسکی
 سیر کو جاتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ معشوق جفا پسند اور ظلم دوست ہو کیونکہ
 وہ ندبو حات کی سیر کو جاتا ہے اور ندبو حات کی سیر اسکی پسند ہے۔
 بسمل سے مراد یہاں گل ہے نہ بسمل حقیقی کیونکہ مصرع اول میں سیر گل کہا ہے
 بخون غلتیدن بسمل یعنی گل خون میں لوٹ رہا ہے بسمل کی طرح یا یہ کہ
 گل میں بخون غلتیدن بسمل کل انداز ہے۔ بخون غلتیدن بسمل یعنی بسمل کا خون
 میں لوٹنا یا یوں کہئے کہ بسمل جو خون میں لوٹتا ہے۔ یہ طرز اور یہ تراکیب
 سیر از عباد القادر بیدل کے میں جو اہل لسان کے پاس ناپسندیدہ اور غیر
 مطبوع ہیں۔ آیا کی جگہ آمد لکھ دیجئے تو سالم شعر فارسی ہو جاتا ہے
 ہواے سیر گل آئینہ بے مہری قاتل کہ انداز بخون غلتیدن بسمل پسند آمد
 بے مہری یعنی ظلم و ستم اور جو رجحان اور الفت کو کہتے ہیں
 مہر بمعنی آفتاب بھی آیا ہے مگر یہاں یہ بمعنی مقصود و مطلوب نہیں ہیں
 بے فارسی میں واسطے نفی کے آتا ہے۔ بے مہری یعنی بے الفت و محبت
 انداز یعنی طور اور طریقہ۔ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور اردو میں
 بمعنی ناز و ادب بھی استعمال ہوتا ہے کہ = کاف تعلیل کا ہے جو بے مہری کی
 علت اور بے مہری کا سبب بیان کرتا ہے۔ کیونکہ سیر گل میں بخون غلتیدن
 بسمل کا تاثر نظر آتا ہے۔

ہر یہ وہ لفظ کہ شمرہ معنی ہوا

ویرین نقش و فوجہ تلی ہوا

یعنی معشوق اپنی بیوفائی سے شرمندہ نہیں ہوتے اور اس لئے معشوقانِ دنیا
و محبوبانِ ماہِ سہاکی وفاداری بے معنی بات ہے۔ مطلب یہ کہ معشوقوں سے
وفا کی امید نہ رکھنی چاہئے کیونکہ معشوق بیوفا ہو کر تے ہیں **نقش و وفا**
یعنی نقش و فامعشوقوں کا وجہ تسلی = باعث تسلی عاشقوں کا۔
شرمندہ وہی شخص نہ ہوگا جو بے حیا ہوگا لہذا لفظ کی شرمندگی یہ ہے کہ بے
معنی ہو۔ معشوق جو وفا کا وعدہ کرتے ہیں اُس سے عاشقوں کی کچھ تسلی
تو ہو جاتی ہے مگر انجامِ شبہ بین لہذا نقش و وفا کو غیر تسلی اور تسلی نہیں دینے والا
قرار دیا ہے دہر = بالفتح زمانہ و عصر **نقش و وفا** = یعنی لیاقت و وفا۔
صورت و وفادار استقرارِ حلم و وفا = تسلی = یعنی دلخوشی اور خوش عیشی۔
لفظ = جو بولی آدمی کے منہ سے نکلتی ہے اُس کو لفظ کہتے ہیں خواہ وہ کلمہ
ہو یا بامعنی لہذا لفظ بے معنی مراد ہے کیونکہ شرمندہ معنی نہوا کہتا ہے۔ یہ
اسکا مٹا رالیدہ و وفا ہے

سبزو خط کا کل سرکش نہ دیا یہ زمر و بھی حریف دم افغی نہوا

یہ زمر د = یعنی سبزو خط۔ زمر و سبز رنگ ہوتا ہے اور سبزو خط بھی مالِ انبزی
ہوتا ہے لہذا سبزو خط کو زمر و قرار دیا ہے۔ خط مجازاً سبزو نورستہ
کو بھی کہتے ہیں جو بخار کے اطراف ظاہر ہوتا ہے اور پشت لب سے
م شروع ہوتا ہے اور اُسکی تشبیہ سبزو کے ساتھ دی جاتی ہے **حریف**
یعنی مقابل اُپیہ مجازی یعنی حریف حقیقت میں شخص ہم پیشہ کو حریف

کہتے ہیں۔ اور یہاں مجازی معنی مقصود میں وہ افعی = یعنی افعی کی
 سانس۔ یہاں افعی سے مراد کامل ہے کیونکہ کامل کو افعی کے ساتھ
 تشبیہ دیتے ہیں۔ کامل بمعنی زلف بھی آیا ہے اور حقیقت میں جو
 بال پشت سر کی جانب میں ہوتے ہیں ان کو کامل کہتے ہیں مگر اس شعر میں
 کامل کے معنی زلف کے ہیں۔ افعی = سانپوں کی قسموں میں سے
 ایک قسم ہے جو نہایت زہریلاک ہوتی ہے۔ دہنا = مغلوب ہونا۔ زہر ہونا
 اور یہ مجازی معنی ہیں۔ سبزہ خط کی دلکشی اور دلچسپی شہور ہے کیونکہ
 جو سبزہ خط آغاز ہوتا ہے وہ بہت خوشنما ہوتا ہے چنانچہ میرزا صاحب
 رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **س** یا قوت آبدار تو آورد عاقبت **ب** خط
 بروے کار کہ ریحان بگرد رفت **ب** اور اسیری کہتا ہے **س** چون سبزہ
 وسیدہ شد بہستان رخت **ب** بشگفت بنفشہ در گلستان رخت
 اور کسی کا اردو شعر ہے **س** کیون نہ دل شیفہ ہوتا مرا اس گل و پڑ
 حسن کا جوش بھی تھا سبزہ کا آغاز بھی تھا۔ اب شاعر کہتا ہے
 کہ اے معشوق تیرا کامل سرکش اس قدر خوشنما ہے کہ اسکی خوشنمائی
 سبزہ خط کی خوشنمائی سے بہتر ہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ سبزہ خط کے
 سامنے تیرا کامل سرکش بجا بیگا اور خط کی دلکشی کا کل کو بے رونق
 کر دیگی مگر ایسا نہ ہوا اور تیرا کامل ہمیشہ کی طرح سرکش بنارہا اور سبزہ خط
 تیرے کامل کا مقابل ہونے لگا۔ درحقیقت یہ شعر کامل کی تعریف میں کہا
 اور کامل کو سبزہ خط سے زیادہ تر خوشنما قرار دیا ہے۔

مین نے چاہا تھا کہ اندوہ سے بچوں
وہ گمر مرمر نے بھٹی رضی نہوا

اندوہ = یعنی غم و الم - وفا = یعنی وعدہ بجالانا اور دوستی انجام کو پہونچانی اور کسی بات کے وعدہ کو پورا کرنا - کہتا ہے کہ میر شوق ایسا ظالم ہے کہ میرے مرنے پر بھی راضی نہوا کیونکہ مر جانے میں اندوہ و فاسے رہائی ہو جاتی مگر اس نے میری رہائی نہ چاہی - بہ سبب ظلم و ستم کی کہ یہ شاعرانہ مضمون ہے اور شعر صاف ہے -

دل گذر گاہ خیال میں غریبی
اگر نفس جاوہ منہرل تقویٰ نہوا

نفس = دوز برسے - اس لفظ کے معنے دم اور سانس کے ہیں - یہہ لفظ مذکر ہے جیسا کہ مرزا نے یہاں استعمال کیا ہے مگر میرے خیال میں یہہ لفظ مؤنث باندھا جائے تو بہتر ہے - نفس کو جاوہ اور راستہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور وجہ تشبیہ نفس کی آمد و رفت اور رازی ہے کیونکہ نفس دراز سے ہوتی ہے اور نفس میں جو آمد و رفت ہے وہ ظاہر ہے - گر = مخفف اگر کا ہے مگر اب اردو میں متروک ہے - جاوہ = راستہ - منہرل = سراس موقع پر زائد آیا ہے - منہرل یعنی منہرل - تقویٰ = پرہیزگاری و خدا ترسی - گذر گاہ = گذر کی جگہ ہی = زائد نہیں آتا بلکہ حصہ و انحصار کے لئے آتا ہے - اس شعر میں دوہر مصرع شرط اور پہلا مصرع اس کی جزا ہے اگرچہ قاعدہ نحو کے لحاظ سے


شرط اول آنا چاہئے اور جزا اسکے بعد مگر جزا کی تقدیم شرط پر اشعار میں جائز ہے۔ یہ شعر صاف اور عمدہ اور فلسفیانہ ہے یعنی اگر ہمارا دم اور ہماری سانس منزل تقویٰ کا راستہ نہ بنی تو خیر نہ ہی ہمارا دل بیکار نہ رہے بلکہ خیال شراب و جام کی گذر گاہ ہو جائے یعنی ہمارے نفس کو ذکر الہی اور تسبیح و تہلیل نصیب نہوے تو نہ ہی۔ ہمارا دل شراب کے خیال میں مصروف و مشغول رہے اور ہم شراب نوشی کیا کر میں مطلب یہ کہ بیکاری بڑی چیز ہے اگر آدمی کو خیر نصیب نہو تو شر ہی میں مبتلا رہے مگر بیکار نہ ہے دل گذر گاہ خیال سے و سا غریب کہ اگر نفس جاوہ سر منزل تقویٰ نشود ذرا سے تغیر میں سا کم شعر فارسی بن گیا۔ حضرت قبلہ گاہی مولانا والہ مرحوم و مغفور نے اس شعر کی شرح میں جو باریک کی قید لگائی ہے درحقیقت نہایت عمدہ اور بامزہ و پر لطف ہے اور اسکو اعلیٰ درجہ کا شاعر سمجھ سکتا ہے یہاں باریک بڑے کام کا لفظ ہے کیونکہ جاوہ نفس کی صفت باریک ہو سکتی ہے۔

ہوں تروعدہ کرنے میں بھی نہ کی کہی | گوشنت کش گل بانگت ملی نہوا

کہ = کانت تعلیل کا ہے اور اسکے معنی کیونکہ ہیں۔ کہ کہی دوسرے مصرع کے متعلق ہے جو پہلے مصرع میں آگیا ہے اگرچہ فارسی میں بھی استاودون کے کلام میں کہین کہین اس طرح آیا ہے مگر حقیقت میں رکیک ہے لہذا استحسن ترک ہے کیونکہ جو چیز مصرع ثانی کے متعلق ہے اسکو مصرع اول میں داخل کرنا ضرور

وزن یا عجز طبیعت کی دلیل ہے۔ منت کش = احسان اٹھانے والا
 گلبانگ = مجازاً آواز کے معنوں میں آتا ہے اور حقیقت میں غنچوں
 پٹھنے کی آواز کو جو شاعروں کے پاس ایک فرضی آواز ہے گلبانگ کہتے
 ہیں یہ لفظ مرکب ہے لفظ گل اور بانگ سے تسلی = خوشی۔ گوش = گوش
 مذکر ہے مصرع گوش منت کش گلبانگ تسلی شدہ۔ نثرہ کہنے سے مصرع
 فارسی ہو گیا۔

کس محرمی قسمت کی شکایت کیجئے | ہم فرچا ماتہا کہ مر مین سو وہی نہوا

یعنی اگر ہم مر جائے تو پہلو آفتون سے نجات ملجاتی اور اسی واسطے ہم نے
 ایسی خواہش کی تھی۔ مرزائے اسی غزل میں کہا ہے  مین نے
 چا ماتہا کہ اندوہ و فاسے چو ٹون + وہ سگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہوا
 ظاہر ہے کہ دونوں شعروں کا مطلب ایک ہے اس سے معلوم ہوا کہ غزل
 میں تکرار معنی معیوب نہیں ہے۔

مر گیا صد یک جنبش سے لب | ناتوانی سے حریف دم عیسی نہوا

کہتا ہے کہ میں سبب ناتوانی کے لب معشوق کی ایک جنبش میں مر گیا اور چونکہ
 میں لب معشوق کا مارا ہوا تھا لہذا حریف دم عیسی نہوا کیونکہ حریف دم عیسی نہوا
 اپنے لئے ننگ عار سمجھا۔ جب ایسے معشوق زیبا کے کشتہ و مقتول ہو گئے تو
 پھر کیا زندہ ہوتے۔ زندہ ہونے کو اپنے لئے ننگ سمجھا کیونکہ لب معشوق نے

مارا ہے عاشقون کو معلوم ہے کہ بعض وقت معشوق اپنے ہونٹوں کو ناز و لڑا
 کے ساتھ کچھ حرکت دیتے ہیں جس کا مطلب صاف سمجھنے میں نہیں آتا مگر
 اُس میں ہوتی کوئی بات ضرور ہے اور اپنے معشوق کی جنبش عاشقون کو
 بہت پیاری معلوم ہوتی ہے اور عاشق اپنے خیال میں جوش عشق کی وجہ سے
 اس اشارہ کے سیکڑوں معنی تصور کر لیتا ہے۔ صدمہ = آسیب اور
 ایک دفعہ باہم کو ٹٹا۔ یہاں پہلے معنی یعنی آسیب مراد ہیں اور چونکہ ہونٹوں
 کا باہم ملانا کو ٹٹنے کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے لہذا لفظ صدمہ سے
 اس شعر میں صنعت ایہام تناسب پیدا ہو گئی اور یہ تازہ و جدید لفظ ہے
 جو اس صنعت میں مستعمل ہوا ہے درحقیقت میرزا صاحب نے نہایت عمدگی
 اور تازگی کے ساتھ اس لفظ کو یہاں استعمال کیا ہے اور یہ لفظ اس
 صنعت میں معمولی لفظ نہیں ہے۔ یہاں اس لفظ کے دوسرے معنی
 مقصود نہیں ہیں مگر جنبش لب کے ساتھ نہایت رکتے ہیں۔ یک جنبش
 لب سے = یعنی یک جنبش لب معشوق سے حریف = اس لفظ کے حقیقی
 معنی ہم پیشہ اور شریک اور حرف کنندہ کے ہیں اور مجازی معنی ہم صحبت
 اور ہم نشین کے ہیں کیونکہ جو ہم پیشہ ہوگا وہ کبھی نہ کبھی ہم صحبت اور ہم
 ہوگا۔ سے = یہی ہے نا توانی سے یعنی بسبب نا توانی کے دم عیسیٰ =
 عیسیٰ علیہ السلام کی سانس جو مردوں کو زندہ کرتی تھی اور یہ عیسیٰ علیہ السلام
 کا معجزہ تھا۔ مرگیا اور نہوا کا فاعل غالب ہے۔ یہ شعر جاہد خیال بندی کا
 ایک عمدہ نمونہ ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلام کے اندر محدود فائے

ہونے سے متعدد معنی پیدا ہو جاتے ہیں اور درحقیقت خیال بند ہی ہیں
 اکثر یہ بات ہوتی ہے کہ ضروری الفاظ حذف کر دئے جاتے ہیں تاکہ
 سامع شش و پنج میں پڑ جائے اور بلا تامل بلکہ غرض و تامل سے بھی
 نہ سمجھے کہ قائل کیا کہتا ہے نیز صاحب نے اس شعر میں لب کا مضاف
 الیہ حذف کر دیا ہے لہذا اس شعر کے سننے سے سامع کو بلا تامل یہ بات
 معلوم نہیں ہوتی کہ لب سے مراد لب معشوق ہے یا لب عیسیٰ۔ اب وہ
 اطراف و جوانب میں تلاش کرتا ہے اور اپنا خیال چار طرف دوڑاتا ہے
 تاکہ مضاف الیہ کو پیدا کرے مگر وہ نہیں ملتا لہذا شعر کے مطلب کی طرف
 اپنا خیال پھیلا یا تو یہ مضمون ذہن میں آیا کہ حریف دم عیسیٰ ہونے کے
 کیا معنی۔ کیا دم عیسیٰ کوئی خراب چیز ہے جس کا حریف بننا قائل نہیں
 چاہتا ہے تو فوراً یہ بات ذہن میں آئی کہ دم عیسیٰ نہایت پاکیزہ و مقدس
 اور مردوں کو زندہ کرنے والی شے ہے جب قائل ایسی عمدہ شے کا حریف
 ہونا نہیں چاہتا ہے تو معلوم ہوا کہ اُس سے بہتر اور عمدہ تر کوئی شے
 قائل کو ملی ہے جسکی وجہ سے اسکو یہ بے پروائی اور بے اعتنائی بھی
 ہے اب پھر سامع یہ سوچنے لگا کہ وہ کیا شے ہوگی اور اسی سوچ کے
 ساتھ قائل پر نظر ڈالی کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے تو معلوم ہوا کہ شاعر
 اور شعرا اکثر اپنا ایک فرضی معشوق مقرر کر لیتے ہیں اور قائل کو اس چیز کے
 ساتھ عشق ہوتا ہے وہی شے اُس کے پاس عزیز تر اور عمدہ تر ہوتی ہے
 لہذا یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ لب معشوق مراد ہے نہ لب عیسیٰ کیونکہ معشوق

بہت عزیز ہے۔ اُس کے لئے ایک مقدس شے سے دست بردار ہو رہا ہے

تائیش کرنا یا مستفاد بننا رضوان کا | واکلدستہ ہم بخودون طاق نسیان کا

تائیش کر = تعریف کرنیوالا۔ تائیش = تعریف و توصیف کر = یہاں اگر کا مخفف نہیں ہے بلکہ ایک حرف ہے جو اسم فاعل کے معنی دیتا ہے بخود = مست و بیہوش بالغ رضوان = یعنی جنت۔ اور رضوان جنت کے داروغہ کا نام ہے گلدستہ = چند پھولوں کو ایک جگہ جمع کر کے جو ایک ستہ اور مجموعہ بناتے ہیں اُسکو گلدستہ کہتے ہیں اصل میں یہ لفظ دستہ گل ہے مگر محاورہ میں قلباً صافت یعنی گلدستہ بولتے ہیں۔ کہتا ہے کہ ہم بے خودون کو اپنی بخودی میں وہ سیر کھائی تھی ہے کہ ہم جنت کو بہول گئے یعنی ہماری بخودی سیر و تماشے کے لحاظ سے جنت سے بہتر ہے اپنی بخودی کی توصیف کی ہے کہ ہم اپنی بخودی میں تمام کائنات کی سیر کرتے ہیں بلکہ ہم ذات باری تعالیٰ کو دیکھتے ہیں جسکا جمال پاک ہے بہتر ہے اور اسی لئے جنت کو بہول گئے یہاں بخودی سے عالم محویت کی بخودی مراد ہے نہ کہ شراب کی بخودی۔ جنت طاق نسیان کا گلدستہ ہے۔ یعنی جنت کو ہم بہول گئے اور جنت کو فراموش کر گئے۔ شعر صاف اور نہایت عمدہ ہے۔ مضمون کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے نکلا ہے۔ اگر چہ زبان کا فرق ہے۔

بیان کیا کیجئے بید کاوش کا مژگان کا کہ ہر قطرہ خون ہے تسبیح مرجان کا

یعنی عشق یار میں یاد یار یار کی تمنا میں میری آنکھوں نے جقدر خون سیر
دل و جگر میں تھا اُسکو کہنچ کہنچ کر قطرہ قطرہ بہا دیا۔ آنکھوں کی یہ یاد سے
اب میرے دل و جگر میں کچھ نہ رہا باقی نہ رہا کیونکہ آنکھوں نے ایک ایک
قطرہ کو دانہ تسبیح مرجان کی طرح حساب شمار کر کے بہا دیا۔ ظاہر ہے
کہ دانہ تسبیح کا حساب و شمار رکھا جاتا ہے۔ قطرہ خون اور
دانہ تسبیح مرجان میں تشبیہ تامہ ہے کاوش = کاویدن کا حاصل
بالمصدر ہے بیان کیا کیجئے یعنی ہم بیان نہیں کر سکتے یعنی بیان کے
قابل نہیں کیا = یہاں نفی کیواسطے آیا ہے۔

کیا آئینہ خانیکہ نقشہ تیر جلوه کر چو پر تو خورشید عالم شہنشاہ کا

یعنی تیرے صفائے حسن کے مقابلے میں آئینہ خانہ غیر محسوس و زنا پیدا ہو گیا
جیسے آفتاب نکلتا ہے تو شہنشاہ فائز جاتی ہے۔ نقشہ = یعنی حال
اور شکل پر تو = عکس و چہاؤن۔ عالم = نقشہ اور حال۔

میری تعمیر مضمراک صورت خرابی کی ہیوں و من بنے خون گرم دہقان کا

تعمیر = عمارت بنانا اور آباد کرنا۔ مگر یہاں فقط بنائے گئے ہیں
جس کو فارسی میں ساختن کہتے ہیں مضمرا = پہلے میم کو پیش اور دوسرے

مہم کو زبردست ہے اور ضیاد اور سے ساکن ہیں۔ اس لفظ کے معنی پوشیدہ
 اور مخفی کے ہیں۔ خرابی - یعنی ویرانی اور تباہی و بربادی مہیولی
 اس لفظ کے متعدد معنی ہیں جیسا کہ لغات اور دشنیوں میں لکھا ہے
 کہ ہر ایک چیز کی اصل اور ہر ایک چیز کی ماہیت اور ہر ایک چیز کے لئے
 کو مہیولی کہتے ہیں۔ اور حکمائے اپنی اصطلاح میں اس لفظ کی یہ تعریف
 کی ہے کہ مہیولی اس جو ہر کو کہتے ہیں جو صورت جسمانی کا محل اور حلول
 گاہ ہوتا ہے اور جو ہر اول کو بھی مہیولی کہتے ہیں اس طرح صوفیہ
 کی اصطلاح میں اس کے معنی کچھ اور ہیں یعنی روح اعظم اور طبیعت
 کل کو مہیولی کہتے ہیں الغرض اس لفظ کے ان معنوں کے سواے اور ہی
 کئی معنی ہیں جنکو میں نے یہاں خوف طوالت ترک کیا اور میرا غالب
 مرحوم کے اس شعر میں لفظ مہیولی کے وہی معنی ہیں جو حضرت قبلہ گامی
 مولانا والہ مرحوم نے وثوق صراحت میں لکھے ہیں یعنی
 مادہ - اور مادہ کے معنی اصلیت و مواد کے معنی ہیں۔ برق خرمن
 باضافت - انبار غلہ کی بجلی - یعنی وہ برق جو خرمن پر گرے اور اسکو
 جلا دے - خرمن = ہالکے انبار غلہ - تو دہ غلہ - انارچ کا ڈھیر -
 و ہقان = کان - مزارع - کہتی کرنیوالا - خون گرم = باضافت
 تپاک و جوشش دلی اور الفت و محبت کو کہتے ہیں اور مجازاً بمعنی سعی
 و کوشش آتا ہے۔ یہ شعر معنی صاف ہے مگر اس میں الفاظ کچھ دقیق
 ہیں اسی لئے میں نے پہلے لفظوں کے معنی لکھ دیے۔ شاعر سخن شناس

جانتا ہے کہ یہ شان غزل کی نہیں ہے بلکہ قصیدہ کا انداز ہے کیونکہ دقیق
 اور مشکل الفاظ غزل میں خوشنما نہیں معلوم ہوتے بلکہ قصیدہ میں نہایت
 زیوریت ہے مگر میری رائے میں جس قصیدہ میں شکوہ لفظی نہ ہو وہ قصیدہ ہی
 نہیں ہے غزل میں ایسے دقیق لفظوں کا استعمال کرنا کچھ اچھا نہیں معلوم
 ہوتا مگر بعض لوگوں کا مذاق ہی ایسا ہوتا ہے جو علاج پذیر نہیں -
 میرزا صاحب اس شعر میں اپنی بدبختی اور بد نصیبی کو ظاہر کرتے ہیں اور
 کہتے ہیں کہ لوگ جو کوشش و سعی میری صلاح و فلاح کے واسطے
 کرتے ہیں وہ کوشش میرے لئے عین تباہی و بربادی کا باعث ہو جاتی
 ہے کیونکہ میں اصلیت و ماہیت کے لحاظ سے خرابی اور ویرانی کی شکل
 و صورت ہوں اور میرے محسن کی سعی و سفارش میرے لئے ہی مضر نہیں ہے
 بلکہ میرے محسن کو بھی نقصان پہونچاتی ہے کیونکہ خرمن کے جل جانے
 سے دہقان کا نقصان ہوتا ہے - اس شعر میں اپنے محسن و مربی کی
 تشبیہ دہقان کے ساتھ دی ہے - خون گرم دہقان کا یعنی کسان کی
 سعی و کوشش سیول برق خرمن کا ہے یعنی برق خرمن کا مادہ ہے
 یعنی اسکی کوشش خرمن کو جلا دیتی ہے - مگر میرے آباد کرنے میں
 ایک شکل و صورت خرابی اور ویرانی کی پوشیدہ ہے یعنی میں آباد
 نہیں ہو سکتا ہوں کیونکہ دراصل اور درپردہ میں ویرانی اور خرابی کی شکل ہوں
 لہذا جو کوئی میرا محسن و مربی بنتا ہے وہ خود نقصان اٹھاتا ہے اور
 میرے امیدوں کا ڈھیر خاک و راک ہو جاتا ہے - تعمیر اور خرابی

صنعت تضاد ہے۔

اگاہی گھیرن ہر سوزنہ ویرانی تماشاکر
دارا کہونے گھاس کے سہیر دربان کا

ویرانی = منادی۔ اسے حرفِ ندا مخدوف ہے یعنی اے ویرانی۔ تماشا کر دیکھ۔ تماشا کرنا یعنی دیکھنا۔ یہہ فارسی محاورے یعنی تماشا کر دینا کا ترجمہ ہے۔ ویرانی تماشا کر یعنی اے ویرانی دیکھ۔ ہر سو = ہر طرف۔ سائے جو انب میں۔ کل اطراف میں یعنی میرا گھر ویران ہو گیا ہے اور اُس کے دروازے اور دیواریں گر گئیں ہیں اور اُس کے ہر ایک جانب میں سبزہ اگا ہوا ہے جیسا ویران اور اقمادہ مکانوں میں ہوتا ہے۔ اے ویرانی اس حالت کو دیکھ۔ دوسرے مصرع میں سبزے کی کثرت کا بیان ہے یعنی سبزہ اس قدر اگا ہوا ہے کہ میرے گھر کا دربان اُس کو کھود کر بیچتا ہے اور اُسکی قیمت پر اپنی زندگی بسر کرتا ہے دربان کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ اب میرے دربان کی یہی تنخواہ ہے کہ میرے خانہ ویران کی گھاس بچ کر اُسکی قیمت لیتا،

خمشوی میں جان لایاں میں
جہرے مہرہوں میں بن گیا گوزن بان کا

اگرچہ میں خاموش ہوں اور زبان سے کچھ نہیں کہتا مگر میرے دل میں لاکھوں زبانیں خون شدہ موجود ہیں۔ غریبان = غریب کی جمع ہے اور غریب اُس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے وطن میں نہ ہو۔ گور غریبان یعنی اُن لوگوں کی قبر جو پردیس میں مرے ہیں ظاہر ہے کہ جو شخص پردیس میں مرا ہے

اُسکا کوئی پرسان و جویان نہیں ہوتا کیونکہ شخص غریب الیاد کو کوئی جاننا اور پہچانتا نہیں۔ جب غریب الیاد کی ایسی حالت ہوتی ہے تو پیرا سکی قبر پر چراغ کون جلاتا ہے۔ کیونکہ قبر پر چراغ روشن کرنا اہل بدعت کے یاس اعزاز و امتیاز کی بات ہے۔ لہذا دوسرے مصراع کے مجازاً یہہ معنی ہیں کہ میرے احوال اور میرے آرزو کا کوئی پرسان و جویان نہیں ہے۔

منور اکبر تو نقش خیال یا باقی ہو | دل فسرہ گویا چہرہ یوسف کے زندان کا

یعنی جمال یار کے تصور سے میرا دل سطح نورانی اور منور ہے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے جن جمال سے قید خانے کا حجرہ منور تھا۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ زندان یوسف کا حجرہ یوسف علیہ السلام کے فروغ حسن جمال کیوجہ سے نورانی اور منور تھا اسی سے کہتا ہے کہ ہمارے دل فسرہ میں ایک ذرا سا خیال جو ہمارے معشوق کا ہے تو اُسکی وجہ سے ہمارا دل بھی حجرہ یوسف علیہ السلام کی طرح منور اور نورانی ہے۔ اس شعر میں مضمون کی نزاکت یہ ہے کہ اپنے معشوق کے حسن و جمال کو حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال سے بہتر قرار دیا ہے دل فسرہ مشبہ اور حجرہ یوسف علیہ السلام مشبہ اور منور ہونا وجہ مشبہ ہے۔ پیر تو = عکس و شبی۔ چہاؤن = نقش = صورت افسردہ = غمگین۔ کدایا ہوا = غمگین اس کے مجازی معنی ہیں اور یہاں مجازی معنی

مراد ہیں یہ اسم مفعول ہے اور اسم مفعول بمعنی اسم صفت آتا ہے۔ دل
افترہ یعنی ہمارا دل افترہ۔ ہمارا محذوف ہے۔ گویا = حرف
تشبیہ ہے۔ درحقیقت لاجواب شعر کہا ہے۔

بغل میں غم کی چ آسوتے کہاں ہیں نہ	سب کیا خوبین آکر تبسم نہ کیاں کا
-----------------------------------	----------------------------------

معشوق کو قریب کے ساتھ جو وصل ہو گا تو عاشق کی آرزوگی کا باعث ہو گا
اور معشوق کا یہ کام ہے کہ اپنے عاشق کو ستاوے اور رنج دیوے اور
اسی غرض سے کہ عاشق کو رنج پہونچے غیر کی بغل میں سو رہا ہے اور عاشق
کو ستانیکے لئے اُسکے خواب میں آکر نہتا ہے جس تبسم کی خیالی اور وہی
یہ تعبیر ہے کہ ہم نے غیر کو اپنے وصال سے کامیاب کیا ہے یعنی معشوق
جو خواب میں آکر مسکراتا ہے تو عاشق بدگمانی کی راہ سے یہ سمجھتا ہے
کہ غیر کو وصال معشوق حاصل ہوا ہے اور ایسا واسطے معشوق مسکراتا ہے
کہ دیکھو تمکو ہم نے اپنے وصال سے محروم رکھا اور غیر کو کامیاب کر دیا
لہذا عاشق اور زیادہ غم کہتا ہے کیونکہ عاشقی میں وہم اور بدگمانی
اور جنون بہت ملے ہوئے ہوتے ہیں تبسم = حقیقت میں مسکرائی ہو
کہتے ہیں اونہنے کے معنوں میں یہی قتل ہوتا ہے پنہان بسم اوصاف میں آتا ہے اور تبسم
پنہان ایسے تبسم کو کہتے ہیں جسکو سوائے عاشق کے دوسرے لوگ دیکھ نہ سکیں
یعنی معشوق اس طرح چپکے پاؤں کا دامن وغیرہ اڑ کر کے مسکرائے
کہ صرف عاشق اُسکو دیکھے اور دوسرا شخص دیکھ نہ پاوے اور معشوق

ایسا تبسم اُسیوقت کرتا ہے جبکہ خود بھی اپنے عاشق پر اُبل ہو۔

نہین معلوم کس کا لہو پانی ہوا گا قیامت سے شکر لودہ ہو میر مرگان کا

سر شکر = اشک ر آنو کو کہتے ہیں اصل میں سر شکر ہے از قبیل حشرۃ
و سر نیچہ کے۔ قیامت ہے = ایغے بڑا کام ہے۔ بڑی بات ہے
کارِ بزرگ و مہم عظیم ہے۔ یہہ چہ قیامت است کا ترجمہ ہے اور فارسی
والے چہ قیامت است نہایت آفت خینر کے معنوں پر بولتے ہیں
مرگان کا سر شکر لودہ ہونا کنایہ ہے رونے سے۔ کہتا ہے کہ اسے
معشوق تو جو روتا ہے یہہ ایک بہت بڑی بات ہے اور یہہ ایک
آفت خینر معاملہ ہے۔ نہین معلوم تو نے کون کونسے عاشقانِ فادار
کا قتل کر دیا ہے کہ جسکی وجہ سے اب پچھتا رہا ہے اور روتا ہے
کہ کیوں قتل کر دیا اُن کے وجود سے تو میری شہرت و زنا موری اور
بہلائی تھی۔ حاصل یہہ کہ معشوق اپنے عاشقانِ صادق کے مقتول ہو جانے
پر روتا ہے۔ کس کس کا یعنی کون کونسے عاشقانِ صادق کا۔
پانی ہونا۔ یعنی بہنا کیونکہ پانی ایک سیال در بہنے والا عنصر ہے
لہذا پانی ہونیکے مجازی معنی بہنے اور روان ہونے اور جاری ہونے
کے ہیں۔

نظیر میں ہے ہمارا دواہ فنا لب کہ شیرازہ عالم کی جزیرہ پریشان کا

یعنے غائب پارمی نظر میں جادہ راہ فنا ہے کیونکہ جادہ راہ فنا عالم کے اجزائے پریشان کا شیرازہ ہے۔ یہ کاشکار الیہ جادہ راہ فنا ہے نہ نظر۔ عالم یعنی دنیا کو کتاب قرار دیا ہے۔ جادہ کے معنی راستہ کے ہیں پھر جادہ راہ فنا اضافت دراضافت محل تامل ہے شاید ضرورت وزن کے لحاظ سے اس طرح کہا ہے اب بعض لوگ اسکی تقلید کر کے قالب تن بیجان وغیرہ کہا کرتے ہیں اہل سان کے کلام میں اس طرح دیکھنے میں نہیں آیا۔ دنیا کے جو پریشان اجزا ہیں یعنی خواہشات نفسانی اور شہوات بہیمی یہ سب موت کا خیال باندھنے سے فنا ہو جاتے ہیں اور اسی واسطے یہ مضمون حدیث شریف میں آیا ہے کہ موت کا ذکر مادم لذات ہے یعنی خواہشات نفسانی اور طمع دنیوی کی وجہ سے آدمی پریشان خاطر رہتا ہے مگر جب موت کو یاد کرے اور انجام کو دیکھے اور خاتمہ پر نظر ڈالے تو دلکو کچھ جمعیت حاصل ہو جاتی ہے۔

نہو کیا یا باندگی شوق کم میرا جہاں جو قمار پر نقش قدم میرا

دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ میرا نقش قدم بھی میرے ساتھ ساتھ چلا آتا ہے جطرح موج کے ساتھ موج کے بلبلے چلے آتے ہیں اور جہاں بوجہ سے یہ معنی نکلتے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ میرا

ذوقِ صحر اگر دمی کبھی کم نہوگا۔ مولانا ذوق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
 وہ ہون میں رہ نورِ شوق میرے ساتھ جاتا ہے + بہ رنگِ سائے
 مرغ ہوا نقشِ قدم میرا + اور اس پیچیدہ شاعر نے یہ شوق قطع
 راہ ہے جھکو کہ دشت میں بے جہہ سے بھی گرم تر مرافقش قدم ہوا +
 ان تینوں اشعار کا مضمون ایک ہے مگر پیرایہ جدا جدا ہے اور مضمون
 یہ ہے کہ جھکو ذوقِ دشت نور دمی و شوقِ صحر اگر دمی چدو بے انتہا ہے
 اور میری رائے میں ذوقِ علیہ الرحمۃ کا شعر ب سے بہتر ہے کیونکہ کثرت
 تشبیہ کے علاوہ قریب الفہم ہے۔ مرزا غالب نے یہ مضمون نقشِ قدم
 متعلق کہا ہے اور درحقیقت جوابِ موجدِ رفا کی تشبیہ تازہ و جدید ہے
 مگر بعید الفہم ہے اور جو دلچسپی ذوق کی تشبیہ میں ہے وہ اس تشبیہ میں
 نہیں ہے مگر تاہم عمدہ تشبیہ ہے مانند کی = تھکاوٹ - تکان -
 یک سیابان = کثرت اور افراط کے موقع پر بولتے ہیں اور اس کے
 معنی کثیر اور بے انتہا اور نہایت کے ہیں۔ موجہ = موج اور موجہ
 مترادف ہیں یعنی جو معنی موج کے ہیں وہی معنی موجہ کے ہیں۔ موجہ
 فرید علیہ ہے موج کا اور موجہ کی ع زائد ہے۔

محبوب گل سے ناک میں دمی میرا	مجھے چہی چہن لیکن پیہہ دمی
------------------------------	----------------------------

یعنی اب بولے گل میرے موافق مزاج و سازگار طبیعت نہیں ہے بے ماعی
 یعنی بے پروائی و اعراض و انکار۔ بولے گل کو موج کے ساتھ تشبیہ تین

اور ہر ایک بو کو موج کے ساتھ تشبیہ سے کہتے ہیں مگر بو کی افراط و طغیانی و کثرت شرط ہے اگر افراط بو کی نہ ہو تو اس کو موج کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے۔ اس شعر کے مضمون سے بوسے فراق آتی ہے اور فراقیہ مضمون معلوم ہوتا ہے۔ کہ = کاف بیانہ ہے جو بے دماغی کا حال بیان کر نیکے لئے آیا ہے چمن سے = یعنی چمن کے ساتھ۔ یہہ معیت کے معنی دیتا ہے۔ موج بوئے گل سے یعنی بسبب معراج بوئے گل کے۔ یہہ سے سبب اور علت بیان کرتا ہے۔ شعر نہایت عمدہ اور صاف ہے۔


سپہا پرین عشق کز پر الفیستی عباد برق کی ہون اور فوس حاصل کا

خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۵ ہرگز نمیر دانکہ لش زندہ شد بشرق ۶ ثبت است بر جریۃ عالم دوام ما۔ اور میر حسن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۵ در عاشقی ہیر حسن تا شوی تمام ۶ نشیدہ ہر آنکہ میر تمام شد۔ ان ابیات کا حاصل یہہ ہے کہ عشق و عاشقی میں جو شخص مر جاتا ہے وہ زندگی دوام پاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص عاشق پاک ہو کر مرے گا وہ شہید کا درجہ پا لے گا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ عَشِقَ وَعَفَّ وَمَاتَ مَاتَ شَهِيدًا اب میرزا غالب یہہ فرماتے ہیں کہ میں سپہا پرین عشق ہوں لہذا مجھ کو حیات جاوید و زندگے دوام حاصل ہو ہی ہے اور اس حیات جاوید کے حاصل کرنے میں میں مجبور

و معذور ہوں کیونکہ سراپا مرہون عشق ہوں اور عشق و عاشقی پاک کامیہ نتیجہ ہے کہ حیات جاوید حاصل ہو جائے مگر میں نے جو عشق و عاشقی کی تھی تو اسکی غرض اور غایت یہہ تھی کہ میں فنا کا طالب تھا اور معدوم ہونا چاہتا تھا کیونکہ عشق کو مہلک اور جان ستان اور فنا کنندہ جانتا تھا مگر میرے غندیہ کے برخلاف مجھکو ہستی حاصل ہوئی اور ناگزیر ہستی کی محبت و الفت میرے دامگیر ہوئی لہذا میرزا صاحب دوسرے مصرع میں تعجب و تحیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عشق جو برق کے مانند ہے اسکی عبادت محض سوختہ و فنا ہونے کے لئے کرتا تھا مگر مجھکو فنا کے عوض میں بقا حاصل ہوا تو اس حاصل پر جو میری مرضی اور میری خواہش کے برخلاف ہے افسوس کرتا ہوں کیونکہ مقتضائے عالم زندگانی افسوس ہے۔ المختصر یہہ کہ ہم نے عاشقی کر کے حیات جاوید حاصل کیا جو ہم کو ناگوار اور ناپسند ہے۔ کیونکہ ہم تو فنا کے طالب تھے۔ اس شعر میں تنقید معنوی بہت کچھ ہے اور یہ شعر جاوید خیال بندی کا عمدہ نمونہ ہے۔ کیونکہ ایک صاف مضمون کو کقدیر سچیدہ بنا کر لکھا ہے۔ پہلا مصرع پورا فارسی ہے مصرع سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی۔

بقدرِ ظرفِ ساتی خاتشنہ کامی بھی	جو تو دریا محو توین خمیا زہن ساحل
---------------------------------	-----------------------------------

طرف = یعنی حوصلہ و استعداد و لیاقت۔ خمیا زہ = انگڑائی۔ شاعر نے اس شعر میں ساتی کو دریا سے اور اپنی ذات کو ساحل سے تشبیہ دی ہے

بقدر = باندازہ - بمقدار - تشنہ کامی - تشنگی اور پیاس - خمار = اعضا
 شکنی و درو سیر وغیرہ خراب حالت جو شراب کا نشہ اتر جانے کے بعد پیدا ہوتی
 ہے - ساقی = منادی یعنی ساقی - کہتا ہے کہ بقدر ساقی کے
 پیاس شراب ہے اسی قدر میں تشنہ اور پیاس مہمان یعنی ساقی سے مجھ کو
 کوئی فائدہ اور فیض حاصل نہیں ہے اگر ساقی دریا سے شراب ہے تو
 میں سا حل تشنہ کامی ہوں یعنی مجھ کو ساقی سے کچھ فائدہ نہیں چنانچہ مرزا
 صاحب تبریزی رحم فرماتے ہیں  ہستی وستان قسمت راجہ سودا ز
 رہبر کامل کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را - مرزا غالب
 کہتے ہیں کہ میرا بھی ایسا ہی حال ہے - حالانکہ ساقی دریا می شراب ہے
 مگر میں ساحل کی طرح تشنہ کام اور ناکام ہوں باوجودیکہ ساقی سے نزدیک
 ہوں مگر فیض یا بہنیں ہوں اور تشنہ دہن و خشک لب ہوں جیسے ساحل
 کہ دریا سے نزدیک ہے مگر تشنہ اور خشک و رسو کہا ہوا ہے -
 جس قدر ساقی فراخ حوصلہ ہے اسی قدر میں محروم قسمت ہوں - طرف
 یعنی طرف ساقی - طرف کا مضاف الیہ جو ساقی ہے اُس کو قائل نے حذف
 کر دیا ہے تاکہ کلام میں دقت اور اشکال پیدا نہ ہو - یہاں یہ بات معلوم کرنا
 ضرور ہے کہ طرف کس کا طرز بیان سے ظاہر ہے کیہاں ساقی کا طرف
 مراد ہے - اس شعر میں ایک پہلو یہ ہے کہ ساقی سے طلب شراب یا عطا
 ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شخص خمار زدہ ساقی سے شراب طلب کرتا ہی
 اور شراب مانگتا ہے - جیسے کوئی غریب آدمی کسی امیر سے کہے کہ آپ امیر ہیں

تو میں فقیر ہوں اس جملہ میں کنایتہ ایک گونہ طلب مال و رسواں پایا جاتا ہے۔
- اگرچہ صراحت نہیں ہے۔

محرم نہیں ہے تو ہونا ہے از کا | یاں رتہ حجاب ہے پرہیز کا

یاں = یعنی دنیا میں یا محفل سماع یا بزم شاطمین - محرم = رازدار - واقف کا
اور یہ مجازی معنی ہیں۔ بعض گروہ صوفیہ کے پاس سماع جائز ہے اور یہ
سمجھتے ہیں کہ اسکے ذریعہ سے تقریباً لی افتد حاصل ہو سکتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ
اس شعر میں مخاطب علما سے ظاہر ہیں یا وہ لوگ مخاطب ہیں جو سماع کے
مخالف ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ اسے مخالف سماع تو ہونا ہے راز کا رازدار اور
واقف کا نہیں ہے اگر تجھ کو قوف ہوا تو تو ہر ایک حجاب کو پردہ ساز تصور کرتا۔
یعنی سماع کی مخالفت عدم وقوف کی وجہ سے ہے۔ ساز میں پردہ ہوتے
ہیں لہذا حجاب کا لفظ ساز کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ نوا = پیشہ نمہ
اور موسیقی کے مقاموں سے ایک مقام کا نام ہے لہذا یہ لفظ بھی ساز کے
ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ حجاب = پردہ

رنگِ شکرِ صبحِ بانٹا ہے | یہ وقتے شگفتنِ گلہائے ناز کا

ناز = سوائے معنی مشہور کے سر کے اقسام میں سے ایک قسم ہے اور سکو
ناز اس واسطے کہتے ہیں کہ شامل نہیں ہوتا۔ یہ بات معلوم ہے کہ سر کو پھول
اور پھل نہیں ہوتے یہاں شاعر نے یہ مضمون اخذ کیا ہے کہ ہم عاشقوں کا

گلستان اور ہم عاشقوں کی صبح بہار ہمارا ہی رنگ نکستے ہے اور کچھ نہیں -
 جیسے سرو ناز کو پہول اور پہل نہیں ہوتے اسی طرح ہمارا ہی صبح بہار نظارہ کو
 پہول اور پہل نہیں ہوتے بلکہ میان صبح بہار ہی نہیں ہے صرف ہمارا ہی
 رنگ شکست کا نظارہ ہے - میان باغ کہان اور میان بہار کہان - یہاں
 سرو ناز کے پہول کہل رہے ہیں ظاہر ہے کہ سرو کو پہول نہیں ہوتے اس سے
 یہ بات نکالی کہ جھکو بہار اور باغ نہیں ہے بلکہ چشم شکستہ خاطر اور شکستہ
 ہیں **شوکت** بخارائی کا شعر ہے **سے** ز جوش گریہ ماگاہ وارہ بیتاب -
 بیاض دیدہ آہوست شیر دایہ ماہ جو علما اور ادبا شوکت کی طرز خیال ہندی
 سے نا آشنا اور نا واقف تھے انہوں نے شوکت کے اس شعر پر یہ اعتراض
 کیا تھا کہ ہرن کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہوتی اور بعض صاحبوں نے
 ارشاد فرمایا تھا کہ شاید ایران کے ہرنوں کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہوگی
 غرض خیال بندی نے بہت سے لائق لوگوں کو بھکا دیا اور یہ بات
 ذہن میں نہ آئی کہ قائل کا عین مقصود یہی ہے کہ ہرن کی آنکھ میں سفیدی
 نہیں ہوتی ہے اور اسی واسطے یہ کہا ہے کہ ہماری دایہ کا دودھ چشم
 آہو کی سفیدی ہے چونکہ ہرن کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہوتی لہذا اس سے
 یہ استعارہ کیا کہ دودھ نہیں ہے - مرزا غالب مرحوم چونکہ شوکت کے
 متعلق تھے لہذا انہوں نے شوکت کی اسی ترکیب سے یہ ترکیب نکالی جو
 اور درحقیقت مرزا کا یہ شعر اپنے رنگ میں لاجواب ہے اور مرزا کی عالی
 دماغی اور نازک خیالی کا عمدہ ثبوت ہے رہا ہے - خیال بندی ہے

عمدہ چیز مگر اسی وقت جب اُسکے اصول اور قواعد مقرر ہو جائیں۔ مگر غالب کے
 اس شعر کے معنی جو میں نے بیان کئے ہیں اُن کے سوا سے کوئی دوسرے
 معنی مربوط اور چسپان نہیں ہوتے۔ شوکت بخاری کا ایکسا اور شعر
 اسی قسم کا ہے وہ کہتا ہے **س** شیدہ اندبانِ مین کلام مرادہ نوشتہ
 اندبآبِ عقیق نام مرا۔ آبِ عقیق = کوئی سیال چیز نہیں ہے جس سے
 کچھ لکھ سکیں۔ پس آبِ عقیق یعنی جلای عقیق اور رونقِ عقیق۔ لہذا دوسرے
 مصرع کا یہ مطلب ہے کہ بتانِ مین بجلو بہول گئے اور فراموش کر گئے۔ دیکھئے
 خیالِ بندی اور تازہ تراکیب یہ مین جو نہایت لذیذ اور دلچسپ ہوتے ہیں
 مگر بعض مضمون جادہ خیالِ بندی مین بالکل غیب و ربے پتہ ہو جاتے ہیں
 یہ وہ مین کے مصنفوں کی کم استعدادی کا باعث ہے یا خیالِ بندی کے
 فروع اور اصول مقرر نہ ہونے کا سبب ہے یا یہ جادہ ہی کچھ ایسا ہے کہ مین
 بہارا اور لطف دیتا ہے اور کہیں دردِ سحر و رنج پہنچاتا ہے اور کہیں غما
 از نظر ہو جاتا ہے نظارہ۔ یعنی دیکھنا۔ یہ لفظ تشرید کے ساتھ ہی
 مگر تخفیف کے ساتھ ہی بولتے ہیں۔ رنگِ شکستہ = یعنی رنگِ فتنہ۔ جو
 رنگِ چہرہ سے اڑ گیا اس کو رنگِ شکستہ کہتے ہیں۔ شکستہ رنگ کے
 صفات مین سے ہے۔

مین اور دکھترے مرقے دراز کا

تو اور سو غمِ نظر ملے تیز تیز

دونوں مصرعون مین اور ملازمہ کا ہے یعنی تیرے لئے وہ لازم ہے اور میرے لئے

یہ لازم ہے یعنی غیر کی طرف تیز تیز تگاہیں کرنا تیرے لئے لازم ہے
اور تیرے مرگان دراز کا غم کہا نا میرے لئے لازم ہے۔ مطلب یہ کہ
مغشوق جو غیر کی جانب پکھتا ہے تو محکو غم والم ہوتا ہے دکھ =
رنج و اندوہ و غم والم۔ غیر = رقیب۔

صرفہ ضبط آہ میں میرا و گزینہ | طعمہ ہون ایک نفس جانگداز کا

صرفہ یعنی فائدہ و منفعت و نفع۔ طعمہ = نوالہ و لقمہ نفس = دم اور
سانس۔ اگر ضبط آہ نہ کروں تو ایک ہی نفس جانگداز کا طعمہ ہون لہذا ضبط
آہ میں میرا صرفہ ہے۔

میں بسکہ جو تیرا دہشتہ چہل ہے | ہر گوشہ بساط ہے سر شیشہ باز کا

جب شراب تیز اور تند ہوتی ہے تو شیشے شراب کے خود بخود اچھلتے ہیں اور
ٹوٹ جاتے ہیں جیسے سوڈا وائر اور لمونیڈ کے شیشے کہ جب سوڈا وغیرہ
تیز اور پر جوش ہوتا ہے تو شیشے خود بخود اڑتے ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے
ہو جاتے ہیں۔ بساط = یعنی فرش۔ از بسکہ جوش بادہ سے شیشے
اچھلے ہیں لہذا بساط کا ہر ایک گوشہ گویا شیشہ باز کا سر ہے۔

کاوش کا دل کرے تقاضا ہی ہونے | ناخپ قرض اگر نیم باز کا

گرہ نیم باز سے مراد دل ہے۔ دل و گرہ میں تشبیہ ہوتی ہے وجہ شبہ

کو چکی اور مدور ہونا ہے۔ نیم باز = یعنی نیم شادہ اور آدھا کھلا ہوا۔
 کرے سے = اب متروک ہے اسکی جگہ میں کرتا ہے یا کرے گاتے ہیں
 کہ = کاف تعلیل کا ہے اسکے معنی میں کیونکہ۔ یہاں ناخن کے حقیقی
 معنی مراد ہیں کیونکہ دل کو گرہ نیم باز کہا ہے اور گرہ کے لئے ناخن
 حقیقی درکار ہے نہ مجازی۔ کاوش = کافتن کا حاصل بالمصدر
 ہے کاوش یعنی کھودنا۔ تفحص و تجسس۔ یہ کا و کا و کا مترادف ہے
 اور اس کے معنی میں اسی رسالے میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ اس شعر
 میں دل قرض دہ اور ناخن قرض گیر اور کاوش قرض ہے اسی واسطے
 دل اپنے مال کا تقاضا کرتا ہے جو کاوش ہے۔

تاراج کاوش غم بچان ہوا اسد | سینہ کہ تہا دفینہ گہرے راز کا

دفینہ = جو مال زمین میں دفن ہو اسکو دفینہ کہتے ہیں۔ مجازی معنی
 خزانے کے ہیں۔ سینہ ابتدا اور تاراج کاوش غم بچان اسکی خبر اور
 ہوا فعل ناقص ہے۔ اسد = مناد می یعنی اے اسد۔ یعنی غم بچان نے
 میرے سینہ کو جو گہرے راز کا دفینہ تھا برباد کر دیا یعنی غم بچان نے
 ہلکو مار ڈالا اور ہمارے مرگ کا باعث ہوا اور ہماری کچھ قدر لگی۔
 تاراج کاوش غم بچان بشد اسد بد دفینہ گہرے راز کا
 تغیر میں شعر فارسی ہو گیا۔

بزم شاد شاہین اشعار کا دفتر کھلا | رکھو یہ تہا در جینہ گوہر کھلا

گنجینہ گوہر یعنی نزم شاہنشاہ۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے شاہنشاہ کو شعر و شاعری کا ذوق و شوق ہوا ہے اور خود شاہنشاہ شعر کہتے ہیں اور شاعروں کی قدر کرتے ہیں چونکہ میں بھی شاعر ہوں لہذا یہ دعا دیتا ہوں کہ خداے تعالیٰ نزم شاہنشاہ کو قایم رکھے تاکہ میری بھی کبھی کبچہ قدر ہو جائے اور انعام و خطاب ملجائے۔ پہلا کہلا ماضی مطلق کے معنی پر اور دوسرا کہلا اسم مفعول کے معنی پر ہے۔ مصرع ثانی میں جو کہلا ہے اُس کے پہلے معنی میں کہ کہلا ہوا۔ ایچدا یہ در گنجینہ گوہر یعنی یہ در نزم شاہنشاہ کہلا ہوا رکھیو۔ رکھیو اب متروک ہے اسکی جگہ میں رکھے یا رکھنا کہتے ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ گنجینہ گوہر اشعار کا دفتر ہے۔ اور نزم شاہنشاہ اُس گنجینہ کا در ہے یعنی نزم شاہنشاہ میں عمدہ اور منتخب اشعار جو ابھر کے جیسے ہیں اُنکا تذکرہ اور چرچا ہے لہذا میں جو شاعر اور سخن شناس ہوں دعائے خیر دیتا ہوں کہ وہ دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا رہے۔ دونوں معنوں کا حاصل ایک ہے کہ بادشاہ کو شعر و سخن کا ذوق و شوق ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ بادشاہ کو سلامت رکھے۔

شب بھری سچر انجم خشد کا منظر کہلا	اس تکلف سے کہ گویا تبتکہ کا در کہلا
-----------------------------------	-------------------------------------

ظاہر ہے کہ جب ہندو لوگ تبتکہ کا دروازہ کھولتے ہیں تو روشنی کرتے ہیں اور چراغیں جلاتے ہیں اور بھلی نواع و اقسام کی آرائشیں اور کلفات کرتے ہیں منظر۔ یعنی نظر گاہ مناظر اسکی جمع ہی انجم ستارے۔ کو اکب نجم اسکا واحد ہے

گرچہ یونہی پر یونہی دو کا کہاں ب | اتین میں دینہاں ہاتھ میں تکرہلا

دشمنہ حقیقت میں ساطور کو کہتے ہیں جس سے گوشت کا شتہ میں اور یہ فارسی زبان کا لفظ ہے ساعد اور کلابی کی تشبیہ کے ساتھ دیکھتی ہے جیسے برو کی تشبیہ کمان اور تلوار سے اور نظر کی تشبیہ تیر اور تلوار سے دیتے ہیں۔ یہ شعر مرزا نے ساعد معشوق کی تعریف میں کہا ہے اور اس کے ساعد حین کو اپنے لئے دشمنہ ساطور قرار دیا ہے یعنی جس ہاتھ میں فصہ دیوانہ کے لئے نشتر ہے وہی ہاتھ میر سے لئے باعث جنون ہو رہا ہے۔ اس شعر میں دوست کا لفظ ایسا ہے کہ اتفاق کے ساتھ مربوط نہیں ہوتے کیونکہ منافق کو دوست کہہ نہیں سکتے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ طعن و طنز کی راہ سے دوست کہا ہوا اور مراد دشمن ہو مگر ان معنوں میں تعقید معنوی بہت ہے۔ کھلا = یعنی کہلا ہوا۔ ماضی مطلق کا تعنیض اسم مفعول کے معنوں میں آتا ہے۔

گو نہ سچو اسکی باتیں گویا نیاں کا بید | پیرہ کیا کم ہی کہ مجھے پری پیکر کہلا

اسکی باتیں اور اسکا بیداضما قبل ل ذکر ہے ان ضمیروں کا مرجع پری پیکر ہے جو مصرع ثانی میں آیا ہے۔ گو = اگرچہ۔ ہرچہ۔ پر یعنی مگر جو استثناء کیواسطے آتا ہے مگر پر ان معنوں میں اب متروک ہے۔ پری پیکر = پیکر پری دارندہ۔ پیکر جسم اور جثہ کو کہتے ہیں۔ یہ اسم صفت مرکب ہے اور ایسے معشوق کو کہتے ہیں جسکا جسم زسرا یا بہت حسین اور خوبصورت ہو۔

ہے خیال حسن میں جن عمل کا خیال | خدا کا کہ در ہے پیر گور کے ز کہلا

کہلا یعنی کہلا ہوا حسن عمل کا سا یعنی حسن عمل کی طرح اور حسن عمل کی مانند

سنہ کہلنیریروہ عالم کہ کیا نہیں

زلف سے ہر نقاب شمع کی سی

عالم یعنی حالت و کیفیت۔ بعض عورتوں اور معشوقوں کے چہرہ پر نقاب بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے اور بعض کے چہرہ پر برعکس۔ نقاب مذکور ہے جیسا کہ مرزا نے بیان کیا ہے۔ مگر لکھنؤ والے نقاب کو سنوت باندھتے ہیں چنانچہ امانت کہتے ہیں کہ چہرہ سے اپنے دور جو اُس نے نقاب کی رنگت سفید شب کو ہو ہی ماہتاب کی منہ نہ کہلنے پر یعنی حالانکہ منہ نقاب کے اندر ہے۔

دریہ رہنے کو کہا اور کہلے کیسا پچھرا

جتنے عرصہ میں مریٹھا ہو بستر کہلا

یعنی میرا معشوق ایسا متلون المزاج ہے کہ مجھ کو دریہ رہنے کو کہا اور جب میں نے اُس کا حکم سن کر اپنا بستر اُس کے دروازے پر کھولا تو اتنے میں معشوق نے مجھ کو منع کر دیا اور یہ کہا کہ اپنا بستر اٹھا لے اور یہاں سے چل دے یا فرار ہو۔ غرض اس شعر میں شاعر نے اپنے معشوق کا تلون اور عدم استقلال بیان کیا ہے اور یہ کہتا ہے کہ معشوق بسبب تلون کے مجھ سے بہت جلد منحرف ہو گیا اور اپنے قول سے پلٹ گیا۔ عرصہ یعنی مدت اور وقت اور اتنا۔ کہلا یعنی در پر کہلا۔

کیوں اندھی ہیر ہیر غم سے ہلا تو کانزول

آج ادھری کو ریگا دیدہ اختر کہلا

اندھیری اور شب تاریک میں کو اکب اور تارے زیادہ چمکتے ہیں اور سبب چاند کی
 روشنی نہ ہونے کے تاروں کی روشنی اور درخشندگی شب تاریک میں بہت بڑھ جاتی
 ہے لہذا اس شعر کا مضمون بدابہت اور فطرت آسمانی کے برخلاف ہے
 اور اس شعر میں بدابہت کا انکار ہے۔ شاید شاعر نے اپنے عالم خیال میں
 ایک بات فرض کر لی ہے جو بے لطف ہے جو لوگ فطرت کے دلدادہ
 اور حقائق کے گرویدہ ہیں وہ اس شعر کے مضمون سے غالباً متعجب ہوں گے
 اور اس شعر کی شرح میں یہ قید لگانی کہ عرش پر سے بلائیں اترتی ہیں
 اور عرش کو منسوب بہ بلیات و آفات کرنا صحیح نہیں کیونکہ ادب کے خلاف
 ہے اور عرش جو اللہ تعالیٰ کا استوا گاہ ہے اس کو عیب لگانا اور بدنام کرنا
 شعرا وغیرہ نے آسمان کو بلا کے ساتھ منسوب کیا ہے نہ عرش کو اس شعر کے
 معنی جو میرے ذہن میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ غم کی رات میں ہمارے
 گہر میں اندھیری ہے اور چراغ نہیں ہے اور تاروں کی اور چاند کی روشنی
 بھی ہمارے گہر میں نہیں آتی ہے کیونکہ ابر حائل ہے اور تاروں کی
 آنکھیں یا مہتاب کی آنکھیں ابر و سحاب کی طرف کھلی ہوئی ہے نہ ہمارے گہر
 کی جانب۔ فارسی میں ضرب المثل ہے مصرع خانہ درویش را شمع بزار
 مہتاب نیت۔ میرزا یہ کہتے ہیں کہ غم کی رات میں ہمارے گہر کو شمع مہتاب
 بھی نصیب نہیں ہے کیونکہ ابر حائل اور مانع ہے اور دیدہ مہتاب بہر طرف
 کھلا ہوا ہے۔ بہر حال اس شعر میں اپنی بد بختی اور بد قسمتی کو ظاہر کیا ہے
 کہہ لا۔ یعنی کھلا ہوا۔ ماضی مطلق بمعنی اسم مفعول آتا ہے۔ میرزا صاحب کی

اس طرز گفتار میں صرف اشارات و کنایات ہیں جبکہ ہر ایک شخص جدا جدا
 معنی بیان کرتا ہے اور اشارات و کنایات میں ہوتا یہی ہے کہ کوئی معنی
 معین و مقرر نہیں ہو سکتا کیونکہ جہاں صراحت اور وضاحت نہ ہو تو سامع کا
 خیال اور اک معنی کے لئے چو طرف دوڑتا ہے اور جو معنی اسکے ذہن میں
 مدرک ہوں انہی معنوں کو کچھ یقین اور کچھ شبہ کے ساتھ پہنچتا ہے کہ قائل کا
 مقصود ہے اس واسطے ایسی طرز گفتار کو شعر سے فصاحت شعار ناپسند کرتے
 ہیں اور عیوب جہانتے ہیں کیونکہ وہ آیات بینات کے شائق و طالب ہیں
 اس شعر کے ایک دوسرے معنی پہنچ رہے ہیں کہ دیدہ اختر ہمارے
 معشوق کی طرف کہلا ہوا ہے نہ ہماری طرف۔ یعنی کواکب و سیارات ہمارے
 معشوق کے نظارہ میں اور ہمارے محبوب کے دیکھنے میں مصروف ہیں لہذا
 ان کی روشنی ہمارے کاشانہ تک نہیں پہنچتی۔ اور اسوجہ سے چار گہر
 ہمارے اور ہمارے گھر میں بلاؤ نکا نزول ہو رہا ہے اُدھر ہی کو =
 یعنی معشوق کے طرف۔

شب کے برق سوز دل سے ہر ابر آتجبا	شعلہ چالہ ہر ایک حلقہ گرد آتجبا
----------------------------------	---------------------------------

اس شعر کے مصرع ثانی میں تنہا کی جگہ بود لکھ دیا ہے تو سالم مصرع فارسی
 بنجاتا ہے مصرع شعلہ چالہ ہر ایک حلقہ گرد آتجبا اور پہلے مصرع میں
 اور تنہا دو لفظ اردو کے ہیں باقی کل الفاظ اور تراکیب فارسی کے ہیں۔
 میرزا کا کلام سمجھنے میں اردو والوں کو جو دقتیں پیش آتی ہیں ان کا بوجھ

ایک وقت یہ بھی ہے کہ میرزا کے کلام میں فارسی بہت ملی ہوئی ہے اور فارسی
 یہی وہ فارسی جو میرزا بیدل اور ناصر علی کی فارسی ہے نہ کہ فصیحانہ عجم کی
 فارسی ظاہر ہے کہ بیدل اور ناصر علی کی فارسی میں ایسے شکل تراکیب اور پیچیدہ
 اسالیب کثرت سے موجود ہیں جو اصلی فارسی یعنی زمرہ ایران میں نہیں
 ہیں۔ اس واسطے اہل سان اور ان کے پیرو بیدل اور ناصر علی کی فارسی کو
 فارسی ہندی اور بے معنی اور لغو و پوچ و پا در ہوا و خرافات کے خطابات
 دیا کرتے ہیں۔ حوالہ = بہت اطراف پہنچوالا۔ یہہ مبالغہ کا بیغہ ہے۔
 اسکا مصدر جول ہے اور جول کے معنی اطراف پہنچنے کے ہیں۔ یہہ لفظ
 شعلہ تیز و تند کی صفت میں اکثر آتا ہے۔ شعلہ حوالہ یعنی وہ شعلہ جو جلا
 کے لئے اطراف بہت پھرتا ہو۔ جول فوج کے ساتھ آتا ہے
 یعنی جیم پر فوج ہے۔ زہرہ آب ہونا = زہرہ پگھل جانا
 یعنی نامرد ہو جانا بہت ڈرنا۔ نہایت خوف کھانا یا یہ فارسی
 محاورے زہرہ آب شدن کا ترجمہ ہے زہرہ فارسی میں پتے کو
 کہتے ہیں شاعر نے اس شعر میں سوز دل کو برق کے ساتھ
 تشبیہ دی ہے اور کہتا ہے کہ میرے سوز دل سے رات کو
 ابر بہت ڈرتا تھا کیونکہ میرے سوز دل کا ہر ایک شعلہ حوالہ حلقہ گرداب
 کی مانند تھا۔ ظاہر ہے کہ جوشی گرداب میں آجاتی ہے وہ پھر نجات
 نہیں پاتی اور گہوم گہوم کر ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس واسطے ابراہن
 ہلاکت سے خوف کھاتا تھا کہ مبادا کسی شعلہ حوالہ میں پھنس جاؤں گا

تو ہلاک ہو جائیگا۔

وان کرہ کو غدا بش تھان گم خرام گریہ بیان پنہ بالش کف سیلاب تھا

یعنی ہمارے پاس نے میں معشوق کو یہ عذر تھا کہ بارش ہے اسوجہ سے
معشوق آئینہ نہیں سکنا تھا کیونکہ کیچڑ اور پانی میں آنا ممکن تھا اور معشوق کی
جدائی و فرقت میں ہمارا یہ حال تھا کہ ہم بہت روتے تھے اور ہم اسقدر
روئے کہ ہمارے گریہ سے ہماری بالش کا پنہ کف سیلاب کی طرح پانی پر یعنی
آب گریہ پر تیر رہا تھا بلکہ کف سیلاب نہ تھا پنہ بالش ہی تھا جو تیر رہا تھا۔
پنہ اور کف میں مشابہت ہے اور وجہ شبہ سفیدی و نرمی ہے۔ بالش
یعنی تکیہ۔

یان نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بخودی جلوہ گل وان بسا ب صحبت اجبا تھا

یان نفس لے اس مصرع کی ترکیب بخودی یہ ہے کہ نفس فاعل ہے اور روشن
کرتا تھا اسکا فعل مرکب ہے اور شمع بزم بخودی مفعول بہ ہے یعنی ہمارا
نفس بزم بخودی کی شمع کو یہاں روشن کرتا تھا۔ روشن کرنا = مصدر
مرکب ہے نفس مذکر ہے جیسا کہ مزار نے یہاں باندھا ہے۔ اس مصرع
کے یہ معنی ہیں کہ ہم بسبب شدت غم و اندوہ کے بخود و بیہوش تھے۔

یان ہر شور بخوابی سہ تھا دیوار جو وان وہ فرقنا ز محو بالش کخواب تھا

دوسرے مجمع کے یہ معنی ہیں کہ معشوق آرام و استراحت کر رہا تھا۔ فوق ناز
یعنی سہ ناز فریق تالو کہ کہتے ہیں مگر یہاں قاعدہ مجاز میں اس کے رو سے
سہرا ہے۔ محو یعنی مصروف و مشغول۔ بالمش = تکیہ کچھو آب =
ایک قسم کا ریشمی کپڑا ہے جو قیمتی زردوزی پر کھلایا ہوتا ہے۔ پریشور = دیوانہ
شور سے بہرا ہوا۔ دیوار جو = دیوار دیو ہونڈنے والا۔ جو یہاں امر کا
صیغہ ہے جستن سے۔ دیوار جو اسم فاعل ترکیبی ہے۔

ناگہاں اس نگ سے نہایت بگڑے لگا دل دوق کا وشن ناخن سے نہایت تھجا

یہاں ناخن حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ ناخن مجازی مراد ہے۔ رنگ یعنی طرز
و طریقہ طور۔ ٹیکانے لگانے کا فاعل دل ہے۔

نالہ و مین شبنم انداز اثر نایاب تھا تھا پسند بزم وصل غیر کو بیتاب تھا

پہلے مصرع کے یہہ معنی ہیں کہ رات کو نالہ دل میں اثر نہ تھا اور نالہ دل غیر موثر تھا
مصرع دوم میں اثر نہ ہونے کا ثبوت بیان کیا ہے اور اس مصرع کی ابتدا میں
کیونکہ کا لفظ مقدم ہے۔ اور اس مصرع ثانی کے یہہ معنی ہیں کہ وصال یار
سے غیر کامیاب تھا کہ مین۔ مطلب یہہ ہے کہ دل میں پسند بزم تھا ظاہر
ہے کہ پسند آگ پر بیقرار ہوتا ہے اس سے یہہ کنایہ کیا کہ میرا دل بیقرار
اور بیتاب تھا اور بیقراری کی وجہ یہہ تھی کہ وصل غیر کو دیکھتا تھا چونکہ وصل
یار غیر کو حاصل تھا اور اس وجہ سے میرا دل بیقرار تھا تو معلوم ہوا کہ نالہ دل

میں رات کو کچھ اتر نہیں تھا۔ اگر میری نالہ دل میں اتر ہوتا تو غیر کا سا بے ہوتا۔ چونکہ سپند کو آتش پر ڈالنے سے چٹ چٹ کی آواز آتی ہے لہذا یہاں لفظ سپند نالہ دل کے ساتھ کمال مناسبت اور لطف رکھتا ہے۔ سپند = کسی قسم کے بیج اور تخم میں جنکو نظر بد دفع لکھتے ہیں۔ جلاتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ مہندی کے بیجوں کو سپند کہتے ہیں۔ ذرا سے تغیر میں مصرع ثانی فارسی بن گیا مصرع بد سپند بزم وصل غیر رہا بیتا ب بود۔

مقدم سلاطین کیا نشاط آہنگ	خانہ عاشق مگر ساز صد آہنگ
---------------------------	---------------------------

نشاط آہنگ - یعنی خوشی کی آہاپ رکھنے والا یعنی خوش و مسرور و شاد و آہنگ نشاط دار زندہ - یہ اسم صفت مرکب ہے اور یہ ترکیب خیال بندہ کی مختصر ہے۔ اہل سان ایسے تراکیب محدثہ سے احتراز کرتے ہیں مقدم = آنا۔ آمدن۔ ساز = ہاجہ کو کہتے ہیں۔ اس شعر میں کوئی معنوی خوبی نہیں ہے بلکہ پھیلا تکلف ہے۔ کیا = تعظیم کیواسطے آیا ہے۔ کیا نشاط آہنگ یعنی بہت نشاط آہنگ۔ دوسرے مصرع میں تھا کی جگہ بود لکھ دینے سے سالم مصرع فارسی بن گیا مصرع خانہ عاشق مگر ساز صد آہ اب بود۔ دیکھئے مزار پر فارسی کقدر غالب ہے

نارِ شایام خاکسرخ نشینی کیا کہن	پہلو اندیشہ وقف بستر سنجاب تھا
---------------------------------	--------------------------------

یہ شعر ذرا سے تغیر میں پورا فارسی بنجاتا ہے شعر نازش ایام خاک نشینی
چون کنم پہلواندیشہ وقف بستر سنجاب بود -

یا دگر وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیر و کام | انتظار صید میں کہ یزد بخواب

یعنی کسی دن تو عاشقوں کی تلاش کرتا تھا اور تجھ کو عاشق نہیں ملتے تھے
اور آج یہ حال ہے کہ سیکڑوں عاشق تیرے سوجھ دھین اور تجھ کو انکی
کچھ پروا نہیں ہے -

اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو | تو راجو نے آئینہ شمال دار تھا

یہ شعر سچیدہ اور مشکل ہے اور طرزِ خیال بند ہی کا عمدہ نمونہ ہے
اس شعر کی شرح میں یہ بات بتانی چاہئے کہ ماتم کا ہیکو کرتا ہے
اور ماتم کرنے کی وجہ کیا ہے لفظ آرزو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
یہاں آئینہ سے قائل کا دل مراد ہے کہ جہی کو تو قائل ماتم کرتا ہے
یعنی اپنے دل کے ٹوٹنے کی وجہ سے ماتم کرتا ہے اور دل بھی ایسا دل
جو آرزوؤں سے بھرا ہوا تھا مصرع دل راکشتہ نہ کہ گو ہر شکستہ کا
سامضمون ہے - یک شہر آرزو = شہر کو بلا اضافت پڑھنا چاہئے
اسکے معنی ہیں آرزو بقدر ایک شہر کے - مراد کثرت آرزو سے ہے
اس قسم کے تراکیب خیال بندوں کے یعنی ناصری اور بیدل کے
کلام میں بہت مستعمل ہوتے ہیں بلکہ ان تراکیب کے بانی یہی لوگ ہیں -

اور = عطف لازمہ ہے۔ یعنی مجھ کو لازم ہے کہ بہت ماتم کروں۔

گلیوں میں سیری نغش کو کنبے پیریں	جان داؤہ ہوا ہی سر رگلزار تھا
----------------------------------	-------------------------------

کہ = یعنی کیونکہ۔ کاف تعلیل کا ہے۔ جان دادہ = مردہ مولو
جان دادن یعنی مڑا۔ مردن = نغش = جازہ۔

موج سربشت و فاکانی چوچال	ہر زہرہ مثل جو ہر تیغ آبدار تھا
--------------------------	---------------------------------

یہ شعر ذرا سے تغیر میں فارسی بن گیا بیت موج سرب وشت و فاکانی
میرس حال * ہر زہرہ مثل جو ہر تیغ آبدار بود * دیکھئے سیزا کی اردو
میں فارسی کقدر ملی ہوئی ہے مگر ہمارے زمانہ میں ایسی اردو معیوب
و متروک ہے۔

وایے دیونگی شوق کہ ہرم مجھ کو	آپ جانا اُدھر واپ ہی حیران ہونا
-------------------------------	---------------------------------

مجاز اور حقیقت کے دونوں پہلو میں۔

عشرت پارہ دل زخم مناکہانا	لذت ریش جگر غرق نمکدان ہونا
---------------------------	-----------------------------

عشرت پارہ دل زخم مناکہ خوردن۔ لذت ریش جگر غرق نمکدان ہونا۔
کہانے اور ہونے کی جگہ خوردن اور ہون کے لکھ رہے ہیں
سالم شعر فارسی بن گیا۔

شب خمار شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا تا محیط باد و صو تنخانہ خمیہا تھا

شب خمار شوق ساقی رستخیز اندازہ بودہ تا محیط بادہ صور تنخانہ خمیہا بودہ
دونو مصرعون میں تھا کا ابتدا خمار ہے۔ یہ شعر المعنی فی بطن الشاعر
کا مصداق ہو اور ذرا سے تغیر میں پورا فارسی ہو گیا اور ایسا معلوم ہوتا
کہ گویا خاص میز را بیدل کی زبان سے نکلا ہے بس اس شعر کی سیدہ
تعریف ہو سکتی ہے۔ اس شعر کو جو معنی چاہیں لگا دیں مگر الفاظ شعر سے
کوئی معنی معین و مشخص نہیں ہوتے۔ صور تنخانہ یعنی تصویر خانہ

یک قدم و حشت سے در فتراکان کھلا جاہ اجزئی دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

یک قدم و حشت چو دریں فتراکان کشودہ جاہ اجزائی دو عالم دشت کا شیرازہ بود
شعر ذرا سے تغیر میں فارسی بن گیا۔ مگر یہ فارسی ایرانی اور رومہ کے
مطابق نہیں ہے بلکہ بیدل اور ناصری کی فارسی خاص ہے۔ یک قدم
و حشت اور دو عالم دشت ایسے تراکیب ہیں جو اہل لسان کے کلام میں
نہیں آتے بلکہ رکیک اور لغو تراکیب ہیں۔ مخترع کا مقصود یک قدم
و حشت سے اندک و حشت اور دو عالم دشت سے بہت ویرانی ہے ان کیوں
کی صحت میں بہت کچھ تاثر اور کلام ہے اہل لسان کے پاس یہ تراکیب
صحیح نہیں ہیں درحقیقت یہ شعر بھی بے معنی ہے مگر شاعر حین کو اختیار ہے
کہ اپنی طرف سے اور اپنے دل سے جو معنی چاہیں بنا کر لگا دیں اور کہیں کہیں

یہی معنی مربوط ہیں بلکہ مقصود قائل یہی ہے مگر سخن شناس جانتا ہے
کہ عقیدہ تمندی اور چیز ہے اور تحقیق اور چیز ہے ۔

ملع وشت خرامیہ لیلیٰ کو ہے خانہ مجنون صحر اگر بے دروازہ تھا

ملع وشت خرامی ہامی لیلیٰ نیست کس ؟ خانہ مجنون صحر اگر بے دروازہ بود
شعر ذرا سے تغیر میں فارسی بن گیا مگر وشت خرامی اہل لسان کی ترکیب
نہیں ہے اور نہ یہ لفظ اہل لسان کے کلام میں آیا ہے ۔

پوچھتے رسوائی انداز استغنا حسیں دست مرہون حنا رخسار ہن غازہ تھا

انداز استغنا حسیں = یعنی طریقہ بے پروائی حسن حسن جمال کی بے پروائی
کا طریقہ ۔ شریعہ رسوائی انداز استغنا حسیں دست
مرہون حنا رخسار ہن غازہ بود شعر تھوڑے سے تبدل میں فارسی
ہو گیا ۔ عاشق اگر بوسہ لیتا ہے تو بدنام اور رسوا ہوتا ہے کہ حسن معشوق
کو بگاڑ دیا ۔ حنا اور غازہ موجب استغنا و بے پروائی حسن ہوتی ہیں
جب کسی نے ان کو بگاڑ دیا تو ضرور بگاڑنے والے کی رسوائی ہوگی یعنی
بے پروائی حسن کا یہ طریقہ ہے کہ عاشقوں کو بدنام کرتا ہے رسوائی
منسوب بہ عاشق ہے نہ حسن کیونکہ عاشق لوگ رسوا ہوا کرتے ہیں ۔

نالہ دل نے دئے وراق نخت دل بادیادگار نالہ اک یوان شیر مہتا

نالہ دل دادہ است وراقِ نخت دل بیاد - یادگارِ نالہ یک یوان بے شیرازہ
 بود - شعر ذرا سے تغیر میں پورا فارسی بن گیا - میرزا صاحب پر فارسی بہت
 غالب ہے -

حضرت ناصح گرویدہ دل فرسراہ | کوئی مجھ کو یہیہ سمجھا دو کہ جہانگیر کیا

یعنی ہم اپنے کرتب اور اپنی عشق و عاشقی سے باز نہ آئیے اور اپنے کاموں
 ترک نہ کریں گے لہذا حضرت ناصح کی فہمائش اور تفہیم بجا اور غیر مفید ہے
 اور ان کی فہمائش کچھ سوشر نہ ہو گی - یہہ زندانہ شعر ہے اور مضمون یہہ
 کہ ہم ناصح کی نصیحت کو نہیں سنتے -

ترے وعدہ پر جو ہم تو جان پہو جانا | کہ خوشی سے مر جاتے اگر اعتبار ہوتا

یعنی ایجان تیرے وعدہ پر ہم جئے تو وعدہ مذکور کو جھوٹا نہ کر جئے - اگر
 وعدہ مذکور کا ہم کو اعتبار ہوتا تو ہرگز ہم نہ جیتے - مصرع ثانی میں کیا حرف
 استفہام محذوف ہے یعنی کیا خوشی سے مر جاتے - یہہ استفہام تواری
 ہے اور اس کے معنی یہہ ہیں کہ خوشی سے مر جاتے اور شادی مرگ ہو جاتے
 جانا = یعنی ایجان اور یہہ الف ندائیہ ہے یہہ کامشارالیہ وعدہ ہے
 دوسرے معنی یہہ ہیں کہ یہہ کامشارالیہ سالم جملہ ہے یعنی ترے وعدہ پر
 جئے ہم سالم جملہ مشارالیہ ہے - اور جان امر کا صیغہ ہے جاننے سے
 جان جھوٹ یعنی سچ ماننا اور جھوٹ جانتا -

یعنی ہوس جو عشق کی ضد ہے اُسکو معشوق کی محبت میں نشاط کا کار اور خوشی و مسرت بہت کچھ حاصل ہے مگر یہہ جانتے ہی نہیں کہ عشق و عاشقی مرنے اور جان دینے کو کہتے ہیں اور عشق و عاشقی کا انجام ہلاکت ہے۔ ہم معشوق پر فدا ہو جائیں تو اُسوقت ہم نے جینے کا مزہ حاصل کیا وگرنہ یوں سمجھئے کہ زندگی بے لطف گذری معشوق پر فدا ہو جانا گو یا زندگی کا لطف اٹھانا ہی اگر باری پر فدا نہ ہوے تو جینے کا مزہ حاصل نہ کیا۔ ہوس کو چاہئے کہ اول اس مشکل کو سمجھ لے اور پھر نشاط کا رمن مصروف ہو ہلاکت کو معلوم کرنے سے پیشتر نشاط کرنا بے فائدہ ہے بلکہ وہ جبکہ نشاط سمجھ رہی ہے درحقیقت وہ نشاط ہی نہیں ہے۔ شاعروں نے اپنی اصطلاح میں رقیب کی محبت کو طعن و طنز کی راہ سے ہوس قرار دیا ہے اور دراصل عشق کی ضد ہوس ہے۔

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا کہہاں تک اے سپر ناز کیا

تجاہل پیشگی = تجاہل پیشہ ہونا۔ تجاہل پیشہ بننا۔ تجاہل پیشگی کی یابی تخرانی جو اس لفظ کے آخر میں ہے یا مصدری ہے سہرا پاؤ ناز = سر سے پاؤں تک ناز۔ یعنی ایسا معشوق جو سر سے لیکر پاؤں تک ناز ہی ناز ہی سہرا پاکا الف الف الخصار ہے بمعنی تامی انتہائی اور سہرا پاؤ ناز معشوق کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

نوازش ہے بجا دیکھتا ہوں شکایتیں رنگین کا گلا کیا

یعنی چونکہ آپ غیروں کے ساتھ بجا نوازشیں کرتے ہیں لہذا میں آپ کی شکایتیں کرتا ہوں پس آپ میری شکایتوں کا گلہ نہ کیجئے کیونکہ آپ خود بانی مبنی ہیں اگر آپ غیروں کے ساتھ بجا نوازشیں کرتے تو میں بھی آپ کی شکایتیں کرتا

نگاہ بے محابا چاہتا ہوں تعافلوں سے تمکین آزما کیا

یعنی میں تعافلوں سے تمکین آزما نہیں چاہتا بلکہ گاہ بے محابا چاہتا ہوں۔

فروع شعلہ خساک نفس ہے ہوس کو پاس ناموس و فاکیا

اک نفس = ایک دم۔ ذرا سا وقت فروع = روشنی خس = گہانہ پاس = لحاظ۔ ناموس = شرم و عیا۔ ہوس = عشق کی ضد ہے۔

دماغ عطر پیراں نہیں ہے غم آوارگی سے صبا کیا

لفظ پیراں اس شعر میں اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ صنعت کلیجہ استعمال کی ہے اور قصہ یوسف علیہ السلام متعلق پیراں کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ ہم کو اپنے معشوق کے عطر پیراں کا دماغ نہیں ہے یعنی ہم بہت نازک دماغ ہیں عطر کے سونگھنے سے نرگہ کی تحریک ہو جاتی ہے۔

دل ہر قطر وہ ہے سازا نا البحر ہم اسکے ہین ہمارا پوچھنا کیا

یعنی ہم بھی دریا ہین یا یون کہئے کہ ہم بھی انا الحق کے مقام ہین -
یہ علم تصوف کا بہت مشہور اور بہت روزدار ہوا مضمون ہے -

سناخا تگر جنس و فاسن شکست قیمت دل کی صدا کیا

شکست قیمت یعنی قیمت کا گھٹ جانا اور قیمت کی کمی - یہ بات ظاہر ہے
کہ شکست قیمت کی کوئی صدا نہیں ہوتی - اگر شیشہ یا اور کوئی شے مثل
اوسکے پتھر یا زمین پر پینٹ یا بچاے یا ٹنک بچاے تو وہ ضرور آواز
دیگی مگر شکست قیمت اوس کے برخلاف ہے یعنی بے صدا ہے - اب
شاعر کہتا ہے کہ اے معشوق قیمت دل جو بے صدا ہے اُسکو متوڑ کیونکہ
اُسکے توڑنے میں کوئی لطف نہیں اور اُسکی شکست سے سامعہ نوازی نہیں
ہوتی - حاصل یہ کہ قیمت دل ایک حقیر شے ہے - شکست کے قابل نہیں
قیمت دل کو توڑا تو کیا توڑا - مولانا ذوق رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہین کہ کسی سبکس کو اے بیدار گراما تو کیا مارا +
جو آپ بھی مر رہا ہو - اُسکو گراما تو کیا مارا + سن سن = یہ تکرار
تاکید کے لئے ہے -

کیا کس نے جگر دار کی دعویٰ شکست خاطر عشق پیدا کیا

جگر داری = بہادری و شجاعت - شکہ پیم = صبر - خاطر = دل -
بھلا = حرفِ ایجاب ہے اور فارسی میں اسکا ترجمہ خیر ہوتا ہے -

سبکو مقبول ہر دعویٰ تری کیا نی کا رو بر کوئی بت آئینہ سیما نہوا

سیما = پیشانی کو کہتے ہیں جسکی پیشانی صاف اور شفاف ہو اسکو آئینہ
سیما کہیں گے۔ آئینہ سیما یعنی پیشانی آئینہ دارندہ یعنی صاف شفاف
پیشانی والا لکڑیہ لفظ خاصکر معشوقوں کی صفت میں مستعمل ہوتا ہے
بلکہ معشوق کے ناموں سے ایک نام ہے۔ بت آئینہ سیما سنا دی ہے
یعنی اسے بت آئینہ سیما کوئی تیرا مقابل نہوا حسن و جمال میں۔ یہ بتی سکتا ہی
کہ اسے معشوق کوئی بت آئینہ سیما تیرے۔ قابل نہوا۔ دو پہلو میں اور یہ
دو پہلو کوئی کو ملا کر اور علیحدہ پڑنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی کو ملا کر
پڑیں تو معشوق مخاطب ہوگا اور کوئی بت آئینہ سیما مبتدا ہوگا اور جو کوئی کو
علیحدہ پڑیں تو بت آئینہ سیما مخاطب ہوگا اور صرف کوئی مبتدا ہوگا۔ صورت
ثانی میں کوئی کے معنی کوئی حسین اور کوئی معشوق کے ہون گے۔ بت =
موصوف و معروف یہاں تجازی معنی یعنی معشوق مراد ہیں۔

کم نہیں نازش ہنمائی چشمِ خوبان تر بیمارِ اکیا ہے گرا چہا نہوا

یعنی یہ نازش کچھ کم نہیں ہے کہ ہم بھی چشمِ بیمار کے ہنمائی سبب
بیماری عشق کے نازش = ناز کرنا۔ یہ حاصل بالمصدر ہے نازیدن کا

حسینوں کے آنکھ کی صفت بیمار آتی ہے اور معشوقوں کی آنکھ کو چشم بیمار کہتے ہیں جب ہم تیرے عشق میں بیمار ہو گئے تو لفظ بیمار ہمارے نام پر بھی عائد ہوا اور بسبب بیمار می عشق کے ہم کو بھی لوگ بیمار کہنے لگے اور بیمار کہنے لگے ظاہر ہے کہ جو بیمار ہو گا اُسکو بیمار کہیں گے۔ یہاں سے شاعر نے یہ شعر انہ منہ منوں نکالا کہ ہم بھی بسبب بیمار می عشق کے چشم خوبان کے ہمنام ہیں یعنی لوگ ہم کو بھی فلاں معشوق کے عشق کا بیمار کہتے ہیں جیسے معشوق کی آنکھوں کو بیمار کہا کرتے ہیں لہذا ہم اس بات پر نازش اور فخر کرتے ہیں کہ ہم چشم خوبان کے ہمنام ہیں اور اسی واسطے تندرست ہونا نہیں چاہتے بلکہ یہ خواہش ہے کہ ہمیشہ بیمار ہی رہیں تاکہ ہمنامی اور پھر اُس پر فخر حاصل رہے یہاں یہ بات جو نازک خیالی کے متعلق ہے جانتی ضرور ہے کہ ہمنامی پر فخر ہو سکتا ہے اور اسی وجہ سے لوگ اچھے اور عمدہ نام اور بزرگوں کے نام رکھا کرتے ہیں اور شریعت میں بھی یہ حکم آیا ہے کہ اولاد کے اچھے نام رکھا کرو تاکہ برے ناموں سے اُن کو رنج اور اندانہ پہونچے۔

اسد ہم و جنوں جولان گدا ہے سپر پیر	کہ یہ سپر چہ قمر گان آہو پشت خارا پنا
------------------------------------	---------------------------------------

جنوں جولان = یعنی جولان جنوں و از زندہ۔ جنوں کا جولان رکھنے والا جولان کے معنی دوڑنے اور دوڑانے کے ہیں۔ جنوں جولان کے معنی بہت دوڑنے والے کے ہیں مگر یہ ترکیب اہل لسان کی نہیں ہے بلکہ

ہندیوں اور خیال بندوں کی ساختہ و پرداختہ ہے۔ اہل سان کے کلام
 میں یہ ترکیب نہیں آئی لہذا اسکی صحت میں تاہل اور شبہ ہے۔ سہر پنجہ =
 بیان اس لفظ میں سرزندہ ہے۔

پے نظر کرم تحفہ شرم نارسائی کا | بخون غلیظہ ننگ دعوئی پارسائی کا

یعنی سوز ننگ سے خون میں لوٹا ہوا پارسائی کا دعویٰ بخشش آہی کی نذر کیوسلے
 خجلت ناتمامی کا ہدیہ ہے۔ و توقع صراحت میں جو پریشان عبات
 ہے میں نے اسکو اسطرح ترتیب یا ہے درحقیقت میری رائے میں و توقع
 صراحت ایسی کتاب ہے کہ اسکے نکات اور دقائق سے طالبان شعرو
 سخن فیض یاب و خوشہ چین ہو سکتے ہیں۔ مقصود قائل یہ ہے کہ ہم شرم
 و حیا کی وجہ سے پارسائی کا دعویٰ نہیں کرتے۔ گویا پارسائی کا دعویٰ کرنا
 بے شرمی ہے۔ دعویٰ پارسائی کا سوز ننگ سے خون میں لوٹا ہوا ہے
 یعنی ہم دعویٰ پارسائی کا نہیں کرتے کیونکہ ہمارا پارسائی کا دعویٰ
 شہید ہو گیا اور باقی نہیں رہا اور دعویٰ باقی نہیں رہنے کی وجہ شرم
 نارسائی ہے حاصل یہ کہ بے شرم و خجالت کے ہم دعویٰ پارسائی کا
 نہیں کرتے۔ اس شعر میں فارسیت بہت غالب ہے اور خاص سہر بیدل
 کی طرز کا شعر ہے میرزا صاحب نے بیدل کا اس قدر تتبع کیا ہے کہ دونوں
 کے کلام میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ درحقیقت تتبع اسکو کہتے ہیں۔

نہو جس تباہ و ستو پارسائی کا | بہر صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا

یعنے معشوق ہمارا پاکدامن ہے مگر اُس میں عیب ہے تو صرف اس بقدر کہ بیوقوف
اور اسی وجہ سے یعنے بیوفائی سے رسوا ہو گیا ہے مگر اُسکی پاکدامنی میں
کوئی شبہ نہیں ہے چشم کی تشبیہ مہر کے ساتھ دیجاتی ہے اور یہاں
قاعدہ مجاز مرسل کے لحاظ سے نظر بمعنی چشم استعمال ہوا ہے۔

زکات جن دامجلوہ بنیش کہ مہر سا چراغ خانہ دریش ہو کا گدائی کا

کاسہ گدائی سے مراد چشم ہے کیونکہ آنکھ کی تشبیہ کاسہ گدائی کے ساتھ
دیجاتی ہے اور وجہ شبہ یہ ہے کہ آنکھ میں عمق ہوتا ہے اور اکثر آنکھ
بادامی شکل کی ہوتی ہے اور کاسہ گدائی میں بھی عمق ہوتا ہے اور اکثر
کاسہ گدائی بھی تراش و خراش میں بادام کا ہمشکل ہوتا ہے۔ زکات جن سے
جلوہ بنیش بھی اس معنی کے مرد و معاون میں کہ کاسہ گدائی بمعنی دیدہ و چشم
آیا ہے بلکہ کاسہ گدائی کے مجازی معنی یہی آنکھ کے ہیں ان قرائن کی
بھی کوئی ضرورت نہیں۔ خانہ دریش سے مراد قابل کا تن اور بس
ہے۔ جلوہ بنیش سے مراد معشوق ہے شعر کے معنی یہ ہیں کہ اسے
معشوق تو اپنا حسن جمال پہکود کھادے تاکہ ہماری آنکھیں روشن اور
منور ہو جائیں آفتاب کی طرح مہر آسا۔ آفتاب کی طرح مہر آسا مصرع ثانی کے
متعلق ہے جو مصرع اول میں آگیا ہے۔ چراغ ہونا = اس شعر میں اس کے
مجازی معنی روشن ہونیکے ہیں۔ مصرع ثانی کے یہ معنی ہیں کہ ہماری
آنکھ روشن ہو جائے۔

گر نگاہ گرم فرمائی ہے تعلیم صفا ستم خشن جیسے نرین ہوں بیگا

نگاہ گرم = چشم گرم کا مترادف ہے اور چشم گرم محبت و عنایت و مہربانی کو کہتے ہیں مگر چشم گرم یا نگاہ گرم قہر اور غضب کے معنوں پر بھی آسکتا ہے۔ کیونکہ لفظ گرم بمعنی احتلاط اور بمعنی غضب دونوں معنوں میں آیا ہے۔ چنانچہ سلیم کا شعر ہے **ع** عمر خود رفت وہاں بیگانہ باما مگر در قیامت گرم خواہی شد بتا چون آفتاب یعنی اے معشوق شاید تو قیامت کے دن ہمارے ساتھ احتلاط اور گرمجوشی اور محبت کر لگا۔ تیرا لگانہ پن ہمارے ساتھ شاید قیامت کے روز ہوگا۔ یہ شعر سلیم کے معنی میں نہ شعر غالب کے۔

در دست کشد و انہوا میں نہ اچھا ہوا برا نہوا

میں نہ اچھا ہوا = یعنی میں اچھا نہوا۔ برا نہوا = یہ برا نہوا۔ یہ مجذوف ہے میرا اچھا نہوا یعنی میرا تندرست نہونا اور صحت پانا برا نہوا میں جو بیمار اور علیل رہا یہ اچھا نہوا۔ کیونکہ تندرست ہونا تو دوا کی منت اٹھانی پڑتی۔ حاصل یہ کہ کسی کا احسان اٹھانا بڑی بات ہے۔ احسان نہ اٹھایا چاہیے۔ حضرت قبلہ گاہی بولانا مولوی والہ مرحوم و مغفور اس شعر کی مختصر شرح جو و ثوق صراحت میں اندر چھوئی تھی اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ کیونکہ ممنون دوا ہونا اور احسان دوا کا اٹھانا بہت برا تھا

جمع کئے ہو کیوں قیدیوں کو اک تاشا ہوا گلانا ہوا

اگر یا مرزا صاحب اپنی بدنامی در سوائی سے ڈرتے ہیں اور اس کو قیدیوں کا اجماع نہیں چاہتے۔ گلہ۔ شکوہ۔

ہم کہاں قسم آ زمانے جا میں تو ہی جہنم آ زمانہ ہوا

خجر آ زمانا = کنایہ ہے قتل کرنے سے۔ قسمت آ زمانی اس طرح سے کہ کسی معشوق کے ماتھے سے قتل ہو جائیں تاکہ آزار عشق سے نجات ملے اور وجہ شہادت حاصل ہو مگر قاتل کی بدبختی اس قدر بڑھ ہی ہوئی ہے کہ کوئی قاتل ہی نہیں ملتا۔ یہ شاعرانہ مضمون ہے نہ کہ حقیقت حال۔ ہی = حصر کے لئے آتا ہے۔

سے خبر گرم اُن کے آنے کی آج ہی گھر میں بوریا نہوا

مرزا اس شعر میں اپنا دکھا رہے ہیں اور اپنی محتاجی و مفلسی ظاہر کرتے ہیں اس شعر کا پیرایہ قابلِ تکریم ہے۔ کسی صاحب نے اس شعر کے باب میں مجھ سے یہ کہا تھا کہ گھر میں بوریا نہوا تو کیا ہرج ہے۔ کر سیوں پر بیٹھیں گے میں نے یہ جواب دیا کہ سبب محتاجی و مفلسی کے بوریا جو ارزاں چیز ہے نہیں لے سکتے ہیں اور مٹی پر بیٹھنا پڑے تو کرسیاں جو بہ نسبت بوریا کے بہت گران قیمت ہوتے ہیں کہاں سے آئیں گے۔

جان دی۔ دی ہوئی ایسی تھی حق تو یوں ہے، کہ حق ادا نہوا

یعنے اگرچہ ہم نے راہ خدا میں یا راہ معشوق میں اپنی جان دی اور مر گئے تو یہ ہر کوئی نسا بڑا کام ہوا کیونکہ جان تو اُسی کی دی ہوئی تھی یعنی جان خدا کا یا معشوق مجازی کا مال تھا لہذا ہم نے جو جان دی تو کوئی بڑا کام نہیں کیا بلکہ ہم ادنیٰ حق میں قاصر رہے۔ اُسی کی = یعنی خدا سے غرور جل کی یا معشوق مجازی کی۔ بہر حال دونوں پہلو ہیں جان دی = یعنی ہم نے جان دی یہاں ہم فاعل مخدوف ہے۔ جان دینا = یعنی مر جانا۔ ہلاک ہو جانا۔ دوسرے معنے جان عطا کرنا جان بخش دینا۔ پہلے جان دینے کے معنے میں مرنا اور دوسرے جان دینے کے معنے میں جان عطا کرنا (ف) جان بخشیدن۔ اس شعر میں لطف یہ ہے کہ قائل نے ایک مصدر یعنی (جان دینا) کے دو جدا گانہ و علیہ معنے استعمال کئے ہیں۔

زخم گردب گیا لہونہ تھا	کام گرزک گیا روانہ ہوا
------------------------	------------------------

اس شعر پر حضرت قبلہ گاہی مولانا والہ مرحوم و مغفور نے ایک اعتراض کیا تھا جو توقع صراحت میں سہو ادرج نہوا۔ اعتراض یہ ہے۔ (دبے ہوئے زخم کا جیسے لہونہ تھا یعنی لہو جاری ہے اس طرح رُس کے ہوئے مطلب کاروا ہونا بھی چاہئے تھا۔ یہ خلاف کیونکر؟) میری رائے ناقص میں بیشک یہ اعتراض اس وقت قائم رہ سکتا ہے جب کہ رواقیہ اور نہوار دلیف مان لیجا گئے

مگر جب اسکو قافیہ معمول قرار دیا جائے اور روانہ بمعنی جاری اور ہوا ردیف قرار دیجائے تو اعتراض وارد نہوگا اور درحقیقت اعتراض صورت اول ہی میں ہے نہ کہ صورت ثانی میں۔ یعنی کام اگر رک گیا تو جائے کہ جاری ہو گیا۔ یہ کمال مایوسی و ناامیدی کی بات ہے یا کمال استقلال اور ثابت قدمی کی تقریر ہے کہ کام کے بند ہو جانے کو بھی اپنی ہمت اور استقلال کے مقابلے میں جاری ہو جانا سمجھتے ہیں۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ زخم کے دب جانے سے لہو نہیں ٹھمتا اور لہو برابر جاری رہتا ہے اگرچہ زخم دب جائے مرنے اسکو دیکھ کر یہ مضمون کا لاکہ کام رک جائے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ بند ہو گیا بلکہ یوں جانے کہ جاری ہو گیا۔ فارسی میں ضرب المثل ہے مصرع صدر شود کشادہ چوبستہ شود درے + اس شعر کا مضمون اس ضرب المثل کے قریب قریب واقع ہوا ہے۔ قرینہ یہ کہ ایک جگہ کام رک گیا تو دوسری جگہ جاری ہو جائیگا۔

رہزنی ہے کہ دستانی ہی | لیکے دانستان روانہ ہوا

قافیہ معمول سے شعر میں کیقدر وقت اور اشکال اور حسن پیدا ہو جاتا ہی اور قافیہ معمول جو دلچسپ اور دلکش ہو مشکل سے حاصل ہوتا ہی اسی لئے اکثر شعرا نے نامدار قافیہ معمول پر مرتے ہیں۔ خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ستم از بادہ شبانہ ہنوز : ساقی ما زلفت خانہ ہنوز

سبکشی و بفرہ سیگوئی تو بہ کردی ز عشق یا نہ ہنوز
 پائے قافیہ مہول پہن اور شہر لالہ دین فقیر ج مصنف سدا بق البلاغۃ
 نرہ تہین - رباعی -

گر شمع نہ دلجوئی پروانہ کند بر آتش و زور پروانہ کند
 فریاد ز شوق من کہ آتش عشق پروانہ صفت سوزم و پروانہ کند
 پروانہ کند = قافیہ مہول ہے اور لطف یہ کہ ایک تو پروانہ کردن یعنی پروانہ کرنا
 پروانہ کردن اور دوسرا پروانہ کردن یعنی پروانہ کرنا۔
 اور بے اعتنائی کرنا۔

کچھ تو پڑھے کہ لوگ کہتے ہیں آج غالب غزل سرا نہوا

قائل نے آپ کو شخص غیر قرار دیا ہے جیسا کہ فارسی کے شعرا کا دستور ہے
 اور فرضی شخص غیر سے کہنا ہے کہ اسے صاحب آج غالب تو غزل سرا
 نہوا لہذا محفل سخن بے لطف و بے رونق ہے۔ جہاں غالب غزل پڑھتا ہی
 وہاں لطف سخن حاصل ہوتا ہے۔ خیر۔ آج آپ ہی کچھ پڑھے کیونکہ غالب
 کے بعد آپ کا نمبر ہے اور غالب کے بعد سب کو آپ کے کلام میں لطف آتا ہے
 مطلب یہ کہ میں اپنے معاصرون اور ہمطرحون میں سب سے بہتر ہوں اور
 اس مقطع میں معاصرون پر طعن و تعریض کیا ہے کہ وہ مجھ سے درجے میں
 گہتر ہیں۔ سالم غزل پڑھنے کے بعد یہ قول کہ کچھ تو پڑھے (کنایہ ہی
 جس سے طنز و تعریض دوسرے شعرا پر مقصود ہے۔ غزل سرا =

غزل پڑھنے والا - غزلخوان -

گلہ شوق کو دلین بھی تنگی جا کا گہرین محو ہوا اضطرابِ ریا کا

شاعر نے اس شعر میں شوق کو دریا سے اور دل کو گہر سے تشبیہ دی ہے اور کہتا ہے کہ دریا اپنے شوق کو گہر میں لینے دل میں محو ہو گیا - باوجود اس شوقِ تنگی جا کا گلہ مند ہے حالانکہ دل کی وسعت معلوم و مشہور ہے کہ قُلُوبُ الْمُؤْمِنِينَ عَرْضُ اللَّهِ تَعَالَى - عرش کی وسعت تمام آسمانوں سے بڑھ کر ہے - مگر یہی گلہ باقی ہے - تو یہ غضب کا شوق ہوا - اگرچہ سچا سوتی جُستہ اور مقدار میں چھوٹی چیز ہوتا ہے مگر قیمت میں گران ہوتا ہے اسی طرح دل اگرچہ بظاہر ایک ذرا سی چیز ہے مگر کمالات باطنی درو جانی کے لحاظ سے ایک بہت بڑی اور وسیع شے سمجھی جاتی ہے - اس شوق کو تمام زمین و آسمان کی گنجائش کافی و مکتفی نہو گی - قائل کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا شوق بحد و بے حساب ہے - اس شعر میں اپنے شوق کی وسعت و فراخی کو بیان کرتا ہے - مگر مرزا کا یہ طرز بیان اہل فصاحت کے پسند نہیں ہو سکتا - دوسرے معنی اس طرح ہو سکتے ہیں کہ پہلا مصرع سالم استفہام انکاری مان لیا جائے یعنی شوق کو دلین بھی تنگی جا کا گلہ نہیں ہے کیونکہ دل جُستہ جُستہ ایک چھوٹی سی چیز اور گہر سے مشابہ ہے جسطرح دریا کا اضطراب گہر میں نہیں ہوتا اسی طرح شوق کا گلہ دل میں نہیں ہے کیونکہ وہ تو اپنے شوقِ دلین فنا ہو گیا - اضطراب دریا تلاطم و امواج سے

مراد ہے۔ مگر ان معنوں کو (بھی) کا افظ مانع و مزاحم ہے۔ یا (بھی) کو
 خشو سمجھ لیجئے کہ وزن کے لئے آگیا ہے اور معنائوں کی تعلق نہیں رکھتا مگر
 اس صورت میں خشو قبیح ہو گا جو غیب ہے۔ محو ہونا = فنا ہونا۔

یہ جانتا ہوں کہ تو اوپر اسخ مکتوب | مگرستم زدہ ہوں فوق خام فرسا کا

یعنی ذوق خام فرسا کی وجہ سے کچھ نہ کچھ لکھتا رہتا ہوں اگرچہ جواب
 نہ آئے۔ ذوق خام فرسا وہ ذوق ہے جو خام فرسانی کرے اور کچھ
 نہ کچھ لکھوائے۔ ذوق موصوف اور خام فرسا اسکی صفت ہے۔ خام
 فرسا اسم فاعل ترکیبی ہے یعنی فرسانیدہ خام۔ قلم گھسانیا والا۔ ظاہر ہے
 کہ لکھنے سے قلم گھس جاتا اور فرسودہ ہو جاتا ہے۔ اور استبعاد
 کیلئے ہے یعنی یہ بات بعید ہے کہ تو پاسخ مکتوب لکھے۔

غم فراق میں تکلیف سیر غمزدہ | مجھے دماغ نہیں خندہ مانے جا کا

مجھے دماغ نہیں = یہہ فارسی محاورے یعنی (دماغ ندارم) کا ترجمہ ہے
 دماغ ندارم یعنی مجھ کو قوت شائہ صحیحہ نہیں ہے

منور محرمی حسن کو ترستا ہوں | کہے ہی ہرین مگو چشم بنیا کا

یعنی ہاں کہہ ہرین مگو چشم بنیا کا کام کرتا ہے مگر تاہم محرمی جمال حقیقی یا
 مجازی سے محروم ہوں یعنی دیدار میسر نہیں۔ محرمی = نزدیکی واقف کاری

کو = بھنی برائے۔ کیلئے۔ ترسنا = کسی چیز کے لئے حد سے زیادہ
خوابش کرنا۔ خواہشمند ہونا۔ کرے ہے اب متروک ہے اسکی جگہ
میں کرتا ہے کہیں گے

دل اسکو پہلے ہی ناز و اداس ہے
ہمیں دماغ کہاں جس کے تقاضا کا

تقاضا اسم غیر سالم ہے مگر وزن اسے سالم باندھا ہے۔ حسن کے تقاضے
کا چاہئے تھا۔ ہمیں دماغ کہاں یعنی ہمیں دماغ نہیں ہے۔

نہ کہہ کہ گریہ بمقدار حسرت ہے
مری گاہ میں ہی جمع و جرح ویرا کا

یعنی گریہ بمقدار دریا کے ہے۔ گریہ میں مبالغہ کیا ہے۔
بمقدار = اسمین یا موافقت کیلئے ہے یعنی موافق مقدار۔ مطلب یہ کہ
گریہ حسرت دل سے بڑھ کر ہے اور گریہ کی مقدار بقدر دریا کے ہے
نہ بقدر حسرت دل کے۔ کیونکہ دل چھوٹی چیز ہے اور دریا تمام دنیا کو
گہیرا ہوا ہے۔

قطرہ می بکہ حیرت سے نفیس رہا
خط جامی سرسبز شستہ گوہر ہوا

یعنی معشوق نے جام شراب جیسا پئے منہ سے لگایا تو اس کے حسن سے
شراب کو اسقدر حیرت ہوئی کہ ہر ایک قطرہ شراب ایک ایک گوہر بن گیا۔
گوہر کیلئے رشتہ چاہئے تھا۔ شاعر نے خط جام کو رشتہ قرار دیا ہے

یہ شعر نہایت لطیف اور مشکل و رنازک خیالی کا عمدہ نمونہ ہے۔
 حیرت سے اشیای سیال کا بچھڑ جانا اور پینہا سے روان کی رفتار
 بند ہو جانا ایک ایسا مضمون ہے جسکو شعرا سے نازک خیال نے کئی طرح
 اور کثرت سے باندھا ہے۔ نقش پرور۔ یعنی روح پرور۔ جان پرور
 اس شعیر میں ہر امر کا لفظ حشو اور زائد ہے۔ حیرت سے یعنی حسن و جمال
 معشوق کی حیرت سے یا لب معشوق کی حیرت سے بہر حال دونوں معنی
 مربوط ہیں۔

اعتبار عشق کی خازن خرابی دیکھنا	غیر نے کی لیکن خفا مجھ پر ہوا
---------------------------------	-------------------------------

غیر نے الخ یعنی معشوق نے سبھا کہ میں نے آہ کی لہذا مجھ پر خفا ہوا حالانکہ
 آہ غیر نے کی ہے مگر چونکہ عاشقی میں میرا اعتبار ہو گیا ہے لہذا غیر کی آہ
 کو میری آہ تصور کرتا ہے۔

جب مقبرہ سب یار نے محل بانڈھا	پیش شوق نے ہزار پہاڑ بانڈھا
-------------------------------	-----------------------------

یعنی پیش شوق نے جدائی کے خیال سے دل کے پیر پریشان کر دیا۔ ذرون پر
 دل بانڈھنا کنایہ ہے دل کے پریشان و مضطرب ہونے سے محفل =
 ہو ج۔ محفل بانڈھنا = محفل بستن کا ترجمہ ہے۔ لفظ محفل مذکر ہے

اہل بندش نے ہجرت کردہ شوخی ناز	جو ہر آئینہ کو طوطی سبیل بانڈھا
--------------------------------	---------------------------------

یعنی شوخی نے حیرت کو مبدل باضطراب کر دیا۔ حالانکہ حیرت غیر متحرک
شے ہے۔

یاسو امید نے یک عریہ میدان گنا	عجز نہایت طلسم اسل سائلان دیا
--------------------------------	-------------------------------

سوال کر نیوالے کو دو باتیں یعنی یاسو امید ہوتی ہیں۔ یعنی یہہاں یاسو ہی
ہوتی ہے کہ میرا سوال رد ہو جائیگا اور یہہاں امید ہی ہوتی ہے کہ میرا سوال
قبول ہو جائیگا۔ سوال کر نیوالے کو ہرگز اس بات کا یقین نہ کرنا چاہئے
کہ میرا سوال بالضرور قبول ہو جائیگا یا رد ہو جائیگا کیونکہ رد و قبول
دوسروں کے ہاتھ میں ہے۔ اور سائل کا کام صرف سوال کرنے کا ہے
اس شعر میں یک عریہ میدان کی ترکیب محل تامل ہے کیونکہ یہ فارسی
کے اہل سان کی ترکیب نہیں ہے۔ یہہاں شعر بے معنی معلوم ہوتا ہے
یون شارحین جو معنی چاہیں لگا دیں مگر مضمون خیر شعر نہیں ہے۔

ورماندگی میں غالب کچھ ہے نون	جستہ تہ بے گرہ تھا ناخن گہ کشا تھا
------------------------------	------------------------------------

دوسرے مصرع کے یہہاں معنی ہیں کہ اب رشتہ میں گرہ پڑ گئے ہیں مگر ناخن گرہ
کشا نہیں ہے اور ناخن گرہ کشا اُس زمانہ میں تھا جبکہ رشتہ بے گرہ تھا۔
ورماندگی = عاجزی - ناچاری -

بعد یک سرع با تو تیار ہے	کاش رضوان ہی یار کا دریاں ہوتا
--------------------------	--------------------------------

ایک عمر درع = یعنی درِ ع یک عمر - مقلوب الت ترکیب ہے - عمر کو بغیر اضافت کے پڑھنا چاہئے - ایک عمر درع یعنی ایک مدت کا زہد و تقویٰ - فضیلت سطح کہین گے کہ زہد بسیار یا زہد بشاق - مرزا نے مرزا بیدل و مرزا صر علی کی تقلید سے ایک عمر درع کہا ہے - یہ ترکیب اور ایسے تراکیب اہل سان کے پاس محض لغو اور تکلف لا طایل مانے جاتے ہیں - مرزا بیدل اور شیخ ناصر علی اور مرزا غالب ایک وضع کے تین سواریں جو اپنی چال میں برابر چلے جاتے ہیں - و ر ع = بفتح تین زہد و پیرہن گاری - بار دینا = یعنی آمد و رفت کی اجازت دینا - بائے = کلمہ ایجاب ہے -

ہو واجب یوں جس تو غم کیا کے کئے کا	نہا کر حد سن تو زانو پیر ہر ہوتا
------------------------------------	----------------------------------

یہ کلام سر کٹنے سے پہلے کا ہے یعنی شاعر کا یہ کلام بالفعل نہیں ہے بلکہ بالقوہ ہے -

ہو می تدکر غالب گیا پیر و آتا ہے	وہ ہر ایک بات کہہ سوتا تو کیا ہوتا
----------------------------------	------------------------------------

(کیا) تعظیم کیواسطے ہے یعنی غالب مر گیا مگر ہمیں اسکی آرزو میں اور ہمیں یاد آتی ہیں کہ وہ ہر ایک بات پر کہا کرتا تھا کہ ایسا ہوتا تو کیا اچھا ہوتا یعنی سرکار انگریزی کی طرف سے پنشن جاری ہو جاتی یا بادشاہ دہلی کے پاس سے سہرہ کا صلہ ملتا یا کلکتہ میں اوستادی کا سگ بیٹھ جاتا الغرض اب اسکی خواہشات یاد آتے ہیں اور افسوس ہوتا ہے - قائل نے یہاں اپنے کو

شخص غیر قرار دیا ہے۔ اور یہ فارسی وارد و مین درستی ہے۔ قاعدہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد اُس کے دوست اور احباب اُسکی نیکیاں اور نیک خواہشات اور اچھی باتیں یاد کر کے افسوس کرتے ہیں اور اُسے اونکا منشا یہ ہوتا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اُس میت کا مرتبہ بلند کرے اور دنیا میں جو محرومی ہوئی ہے اسکا بدلہ آخرت میں ملے

یک ذرہ زمین نہیں بیکار باغ کا	یاں جاوے بھی قلیلہ لالہ کو دانغ کا
-------------------------------	------------------------------------

اس شعر کو مشکل یا معنی کہہ سکتے ہیں۔ یہاں مصنف کا طائر خیال اس قدر بلند ہوا ہے کہ نظروں سے غائب ہو گیا ہے گویا معدوم و فنا ہو گیا ہے بہر حال نہایت خوض و غور کے بعد یہ معنی میرے ذہن میں آتے ہیں کہ شاید اس شعر میں دنیا کی بے ثباتی کا مضمون لکھا ہے یعنی اہل دنیا کی عبرت پذیری اور نصیحت یابی کے لئے باغ کی زمین کا ایک ذرہ بیکار نہیں ہے باغ میں جو راستہ ہے جسپر لوگ خوشی خوشی سے باغ کی سیر کے مزے اُڑاتے ہوئے چلتے پھرتے ہیں اگر غور کیجئے تو یہ جادہ دانغ لالہ کا فیتلہ ہے یعنی یہ جادہ اس بات کو روشن کر رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ دنیا عیش و عشرت کی جگہ نہیں ہے بلکہ عشرت پرستی دنیا کا حاصل دانغ ہے اور دانغ ہی خاص لالہ کا دانغ جو کبھی منقطع اور علیحدہ ہو نہیں سکتا۔ ظاہر ہے کہ دانغ لالہ ہمیشہ لالہ کے ساتھ ہی رہتا ہے اور لالہ جالانگہ باغ میں مگر داغدار ہے اور یہ طرفہ ماجرا ہے کہ خوشی شب و روز باغ میں جو عیش

و عشرت کی جگہ ہے رہے اور پہرہ و خدایہ ہی ہو۔ آخر اس دغدغہ کی کوئی وجہ خاص ہوگی۔ فقیلہ روشنی کے لئے ہوتا ہے اور فقیلہ سے تاریکی دور ہوتی ہے اور وہ تاریکی میں اشیا کو دکھاتا ہے۔ یہاں فقیلہ سے مراد فقیلہ روشن ہے نہ کہ فقیلہ خاموش۔ مطلب یہ کہ دنیا بے ثبات ہے اور عیش و عشرت کی جگہ نہیں۔ دیکھو لالہ جو باغ میں ہے وہ خود دغدغہ ہے اور باغ کا جادہ اس بات کو دکھانے کیلئے اہل نظر کی آنکھوں میں فقیلہ روشن کا کام دے رہا ہے۔ جادہ کو فقیلہ کے ساتھ شبیہ دی ہے اور وجہ شبہ درازی ہے جو جادہ اور فقیلہ دونوں میں مشترک ہے۔ یہ شعر کوہ کنڈن و گاہ برآوردن کا مصداق ہے۔

بے موکسے، طاقت آشوب گہی | کینچا ہے عجز جو صلہ نہ خط ایانغ کا

آگہی = ہوشیاری۔ یعنی بغیر شراب کے آشوب ہوشیاری کی طاقت کسی کو نہیں ہے مطلب یہ کہ ہم کو بغیر شراب کے ہوشیاری حاصل نہیں ہوتی جب ہم شراب پیتے ہیں تب کام کر نیکی یا شعر کہنے کی قوت اور طاقت ہم کو حاصل ہوتی ہے مسعود سعد شراب کی تعریف میں فرماتے ہیں
 بخواہ آن طبع را قوت بخواہ آن کام را لذت بخواہ آن چشم را لالہ بخواہ
 آن مغفرا غنہ شراب کا مقوی طبع ہونا اس شعر سے ثابت ہے۔ چونکہ آزاد منشاں در بے پروا لوگ ہوشیاری کو بری چیز جانتے ہیں لہذا شہزادی کو آشوب کہا ہے۔ آشوب یعنی فتنہ و فساد و ہنگامہ۔ کینچا ہے عجز

حوصلہ نے خطایا غ کا = یعنی شراب نہونے سے حوصلہ عاجز ہو گیا ہے ۔

بلبل کے کاروبار پہن خندہ ہاگل | کہتے ہیں جسکو عشق خلل دماغ کا

بلبل کے کاروبار پہن خندہ ہاگل = یہ مصرع ردلف لام میں بھی آیا
اس شعر کے یہ معنی ہیں کہ بلبل کی عشق بازی اور نواسازی پر گل بنتے ہیں اور
بلبل اس بات کو سمجھتا ہی نہیں اور اپنے کاروبار سے جو عاشقی و نغمہ گرمی ہے
باز نہیں آتا تو اس کے عدم فہم کی وجہ سے یہ ثابت ہوا کہ بلبل عاشق مزاج کا
دماغ صحیح نہیں ہے اور عشق و عاشقی خلل دماغی کا نام ہے ۔ کیونکہ ہتیار
ہوتا تو اپنی تضحیک و رہنمائی کو پسند کرتا اور ترک عاشقی کرتا ۔ اس شعر میں
یہ بات بیان کی ہے کہ عشق بُری چیز ہے اور بر خلاف اہل عرفان کے
عشق کی مذمت کی ہے ۔ میر نے اور ایک جگہ عشق کی توہین بھی کی ہے
عشق نے غالب نکما کر دیا ، ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے کتاب
سلم الادب میں لکھتے ہیں کہ فیثاغورس حکیم نے عشق کی تعریف میں کہا
عشق اخلاصیت طبعی ہے کہ دل میں پیدا ہو جاتی ہے ۔ حرکت کرتی ہے
اور بڑھتی ہے اور پھر پرورش پاتی ہے ۔ اور حرص کے بہت سے ماوس
اس کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں اور جتنی زور پراتی ہے ۔ اتنی ہی صاحب
عشق کی گھبراہٹ اور بے سنگی ۔ دراز نفی طمع کی آرزوؤں کا سوچ ۔ جستجو کی
حرص طول کہنچستی ہے یہاں تک کہ غم پر اضطراب تک نوبت پہنچ جاتی ہے
خون بدن میں اسوقت جل جاتا ہے اور مادہ صفراوی پھڑک کر سودا

تبدیل ہو جاتا ہے۔ سودا کی طبیعت میں فساد فکر داخل ہے اور فساد فکر کے ساتھ ہی زوال عقل ہوتا ہے۔ اور ناممکن بات کی امید۔ آرزو بے انتہا۔ یہاں تک کہ یہ جنون کو نوبت پہنچا دیتی ہے۔ اکثر ایسے وقت میں عاشق نے اپنے تئیں مار ڈالا ہے۔ اکثر غم کے مائے مر گیا ہے۔ اکثر عشق کی طرف دیکھا اور شاد می مر گیا۔ اکثر ایک ٹھنڈی سانس لیا ہے اور دم گھٹ کر رہ گیا ہے۔ ۲۴ گھنٹے تک اس طرح رہا ہے کہ لوگ جانتے ہیں مر گیا۔ اُسے دفن کر دیتے ہیں مگر وہ زندہ ہوتا ہے اکثر اوپر کو سانس لیا ہے۔ دم غلاف دل میں گھٹ جاتا ہے۔ دل اس پر چمٹ جاتا ہے کہ پھر نہیں کہلتا یہاں تک کہ مر جاتا ہے۔ اور تو اسے دیکھے گا کہ جس پر عاشق ہے جب اُسکا ذکر کیا جائے تو لہو اُسکا کھٹ جاتا ہے۔ اور رنگ بدل جاتا ہے۔ شیخ ابن سینا کہتا ہے کہ عشق ایک وہم فاسد کا مرض ہے جیسے دیوانہ پن کہ بعض صورتوں اور عادتوں کے اچھا ہونے پر دل کو قایم کر کے انسان اس مرض کو خود اپنے اوپر لیتا ہے کبھی اس کے ساتھ ہوس جماع کی بھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی صولے عوب کی ایک عورت نے کہا کہ عشق ٹھہری ہوئی چیر کے ہلا دینے اور ہلی ہوئی چیر کے ٹھہرا دینے کو کہتے ہیں۔ بعض اہل ادب نے کہا ہے کہ جنون قسم قسم کا ہے۔ ایک قسم اس میں سے عشق بھی ہے قاموس میں ہے کہ عشق پیار کرنے والے کا گھنڈ کرتا ہے اپنے پیارے پر۔ یا محبت کا بیج ہونا۔ پاک! امی کے ساتھ بھی ہوتا ہے

اور ناپاکی کے ساتھ بھی۔ یا اُس کے عیوب۔ سے عقل کا اندھا ہونا۔
یا ایک مرض مہی ہے کہ بعض صورتوں کے اچھا سمجھنے پر دل بٹا کر انسان
اُس مرض کو آپ اپنے سر لیتا ہے۔ محشۃً بجیسا غلۃً و عشقاً بالکسر و
بالتحریک (یعنی و فز برون سے) ہے۔ مرد عاشق اور عورت عاشق
بھی اور عاشقہ بھی اور عشقہ یعنی وہ بنا و سٹ سے عاشق بنا۔ اور
سکیت کے وزن پر ہو تو بڑا عشق والا۔

مازہ نہیں ہے نشہ فکر سخن مجھے تریا کی قدیم ہون و چراغ کا

یعنی زمانہ قدیم سے دو چراغ کی تریا کی کہا یا کرتا ہوں۔ یعنی رات بھر
اور تمام شب چراغ سامنے۔ رکھ کر فکر کر کر کے اشعار کہتا ہوں۔ دو چراغ
خوردن فارسی کا محاورہ ہے اور مرزا نے یہ مضمون اسی محاورہ سے
اخذ کیا ہے۔ تریا کی = منوب بہ تریاک ہے جیسے افیون کہا گیا
کو افیونی کہتے ہیں اسی طرح تریاک کھانے والے کو (تریا کی) کہا ہے
اور اسی طرح شرابی و کبابی وغیرہ الفاظ آئے ہیں۔ شرابی یعنی شراب
پینے والا۔ و قتی علی حصۃ ۲۔ افیونی و تریا کی و شرابی و کبابی کی
یا یا می فاعلی ہے تریاک = پاؤں پر۔

بے خون دل ہی چشم میں موج نہ گیا یہ سیکہ خراب ہے مجھ کے سراغ کا

قائل نے خون دل کو شراب و چشم کو شراب خانہ قرار دیا ہے۔ یہاں خراب

لفظ ایہا می لفظ ہے کیونکہ خراب بمعنی مرست و ویران آیا ہے۔ معنی اول
یعنے مرست کے لحاظ سے یہ لفظ میکہہ اور سے کے ساتھ مناسبت
رکتا ہے۔ کیونکہ شرابستی آور اور مرست کرنے والی چیز ہے۔ اور اس شعرین
معنی ثانی یعنی ویران مراد ہے۔ غبارین حرف با ہے لہذا۔ بے اور
با صنعت تضاد ہے۔ حاصل شعر یہ کہ ہماری آنکھ خون دل کی تلاش
کر رہی ہے یعنی خون رونا چاہتی ہے۔

بان شگفتہ تیر البساط نشاط دل	ابر بہار خم کہ کس کے دماغ کا
------------------------------	------------------------------

باستثنا و ثوق صراحت کے اس شعر کے معنی کل شارحون نے
غلط لکھے ہیں۔

وہ مرچیں چین سے غم نہاں سمجھا	راز مکتوب بہ بی ربطی عنوان سمجھا
-------------------------------	----------------------------------

یعنے معشوق نے میرے چین چین کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ میں غمگین ہوں۔
دوسرے مصرع میں سمجھا کی جگہ فہمید لکھ دیجئے تو سالم مصرع فارسی بن جاتا ہے۔
مصرع راز مکتوب بہ بی ربطی عنوان فہمید۔ بعض کاہون نے بہ کو یہ یعنی
پر کا مخفف لکھ دیا ہے جس سے دوسرا مصرع بے معنی ہو گیا تھا یہ بہ تعلیل
کے لئے یعنی بمعنی از آیا ہے۔ بہ بی ربطی عنوان یعنی بہ سبب ربطی عنوان
کے سمجھا کا فاعل معشوق ہے۔ غم نہاں یعنی غم دل۔

بدگمانی فریاد اُسے سرگرم خرام	رخ پہ ہر قطرہ عرقِ دیدہ حیران سمجھا
-------------------------------	-------------------------------------

معتوق کی بدگمانی نے معتوق کو سرگرم خرام نچا یا۔ یعنی معتوق جو سرگرم خرام نہیں ہوتا ہے اسکی وجہ کیا ہے۔ ؟ اسکا سبب یہ ہے کہ مشی اور سرگرمی رفتار سے چہرہ پر پسینہ آتا ہے اور پسینے کے قطرے آنکھوں سے سیقہ رہتا بہت اور مشکل رکھتے ہیں تو معتوق نے بوجہ بدگمانی کے ان قطروں اپنے عاشقوں کی آنکھیں تصور کر لیں اور یہ سمجھا کہ راہ چلنے میں اپنے چہرے پر اپنے عاشقوں کی آنکھیں لگ جاتی ہیں لہذا سرگرم خرام نہوا۔
 دیدہ حیران = یعنی دیدہ حیران عاشق کا جو معتوق کے حسن و جمال و ناز و انداز کو دیکھ کر محض حیران اور بہوت و سبے حسن ہو گیا ہے۔

عجز سے اپنی بہ جاناکو بد خو ہوگا	بنص خست پیش شعلہ سوزاں سمجھا
----------------------------------	------------------------------

یعنی معتوق سرکش کے سامنے عاجزی و انکساری بیکار و فضول ہے جسے فارسی کا شاعر کہتا ہے ۛ اظہار عجز پیش تہم پیشہ چارہ نیت ہا شک کہا باعث طغیان آتش است پیش قیدین کا حاصل بالمصدر قیدین یعنی تڑپنا۔ لفظ پیش نبض کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ کیونکہ نبض میں تڑپ اور حرکت ہوتی ہے شاعر کہتا ہے کہ جب طرح شعلہ حسن کو جلا دیتا ہے اویس طرح معتوق افروختہ میری عاجزی سے زیادہ بد خو ہوتا،

سفر عشق میں کی ضعف راحی طلبی	ہر قدم سایہ کو میں اپنی شبستان سمجھا
------------------------------	--------------------------------------

مصرع از ضعف بہر جا کہ شستیم وطن شد۔ کا مضمون ہی شبستان میں راحت

راست ہوتی ہے اور ساریہ کو صنف کے ساتھ تشبیہ نامہ ہے کیونکہ وہ ہی
افتادہ ہوتا ہے۔ معیون کی طرح۔ اور غریب چلنا ہوتا ہے لہذا یہ لفظ و نشر
مرتب ہوا۔

تھا گیزان قرہ یار دل از مرگ	رفع پیکان قضا استعد آسان سمجھا
-----------------------------	--------------------------------

اس شعر میں پیکان قضا اور دم مرگ اور قرہ یار ایب الفاظ میں کہ آج
ساتھ لفظ زخم کمال درجہ کی مناسبت و لطافت و نزاکت رکھتا ہے
لہذا حضرت قیام گاہی مولانا والا مرحوم و مغفور کا دخل قابل
تعریف ہے۔ لفظ زخم کی مناسبت سے اس موقع پر شاعر نازک خیال
کا ذہن ہی محفوظ ہو سکتا ہے۔ دفع کا اظہار ہے۔ اور لطف یہ
معنی میں کوئی نقصان نہیں آتا یعنی دل نے تادم مرگ یہ سمجھا کہ قرہ یار
بھاگ جاؤنگا تو زخم پیکان قضا سے محفوظ رہونگا۔ حقیقت میں حضرت
والا مرحوم کا یہ نسخہ قابل داد و انصاف ہے نہ لایق گرفت و گیر مرزا
غالب دہلوی کوئی پیغمبر نہیں تھے جو اول سے آخر تک معصوم اور غلطی
سے محفوظ رہ سکتے۔ قرہ کی تشبیہ شترک ساتھ دیجاتی ہے اور شترک
کا دم زخم کر نیک ہے۔ مرگ بعض وقت زخم سے واقع ہوتا ہے۔ اور پیکان
کا یہ کام ہے کہ زخم کرے۔ ان وجوہات سے زخم کا لفظ مناسب ہے۔

دل یا جان کے کیوں اس کو فادار	غلطی کی کجی کو فر کو سمان سمجھا
-------------------------------	---------------------------------

ایسے معشوق بیوفاس ہے اُسکو جو وفادار سمجھا تو یہ غلطی کی اور معشوق بیوفاکو
وفادار جاننا ایسی غلطی ہے جیسے کوئی شخص نادانی سے کافر کو مسلمان
سمجھے۔ اسد = سنا دہی یعنی اسے اسد۔ اُسکو = یعنی معشوق بیوفاکو
پلے مصرع کا مضمون اسطرح ہے کہ اے اسد کیون اُسکو یعنی معشوق کو وفادار
سمجھ کر تو نے اپنا دل دے دیا۔ کافر اور مسلمان صنعت تضاد ہے جسکا
دوسرا نام طباق ہے۔ جان کے = یعنی سمجھ کر اور جان بمعنی روح
بھی آیا ہے۔ اور یہ دوسرے معنی یعنی روح جو یہاں غیر مقصود اور نامطلوب
میں لفظ دل کے ساتھ مناسب رکھتے ہیں۔ کیونکہ دل ورجان لازم و ملزوم
چیزیں ہیں اور روح کا مقام دل ہے لہذا لفظ جان سے اس شعر میں
ایہام التناسب پیدا ہو گئی۔ شعر صاف اور نہایت عمدہ بلکہ لاجواب ہے۔

دیکھ کر غیر کو ہو کیونچہ کلیجا ٹہنڈا	نالہ کرتا تھا والے طالب تاشیر بھی تھا
--------------------------------------	---------------------------------------

کلیجا ٹہنڈا ہونا محاورہ ہے اسکے معنی میں مراد برآنا خوش ہونا۔ آرام پانا۔

پیشہ میں عیب کب نہ فرماؤ گلام	ہم ہی شفتہ شیر و نہن جو انمیر بھی تھا
-------------------------------	---------------------------------------

پیشہ = پیشہ یہی کہ فرمادے سنگ تراشی کا کیا تھا۔ کیونکہ نام رکنا = محاورہ
ہے۔ اسکے معنی میں کسی کو عیب لگانا۔ بدنام کرنا۔ بُرا کہنا۔ شفتہ = شتر
دیوانہ۔

ہمہ نا امید ہمد گمانی	مین دل خون فریب خانوڑگان کا
-----------------------	-----------------------------

ہمہ ناما میدی ہمہ بدگمانی = یہ وہ نون صفات اُس ل کے ہیں جس نے
ونامی بیو فایان کا فریب کہا یا ہے۔

چھوڑا تختہ کی طرح دست و قضا
خوشید منور اُس کے برابر نہوا تھا

ماہِ تختہ = وہ چاند ہے جس کو حکیم ابن عطا مشہور بہ ابن مقفع نے جادو
اور شعبدہ کے اصول پر سیما ب اور دوسرے اجزاء سے بنایا تھا۔ وہ چاند
برابر دو مہینوں تک ہر رات کو ایک کنوین سے جو کوہِ سیام کے نیچے
واقع تھا اٹکتا تھا اور اُس کی روشنی بارہ میل تک جاتی تھی۔ جاننا چاہئے
کہ دو مہینوں کے بعد یہ شعبدہ مفقود و معدوم ہو گیا تختہ بفتح نون و
سکون خا، معجہ و باموحدہ ایک شہر کا نام ہے جو ملک ماوراء النہر میں
ہے۔ ماہِ تختہ کو ماہِ سیام ہی کہتے ہیں اور کوہِ سیام ایک پہاڑ کا نام ہے
جو شہرِ تختہ میں ہے۔ اس شعر کا مضمون یہ ہے کہ جب آفتاب نے ہمارے
مغشوق سے برابری کا دعویٰ کیا تو کارکنانِ قضا و قدر نے ماہِ تختہ
کی طرح آفتاب کو چاہِ مغرب میں جھونک دیا یعنی غروب کر دیا۔ اس قبیل کے
اچھے اچھے مضامین بعض اردو کے اور نامور شعرا نے بھی نکالے ہیں چنانچہ
میر سوزِ رح کہتے ہیں ۛ دعویٰ کیا تھا گل نے اُس رخ سے رنگ و بو
کا ۛ مارین صبا نے دہولینِ شبنم نے منہ میں تھوکا۔ میر تقی رح ۛ
کیا خوبی اُس کے منہ کی اسے غنچہ نقل کرے ۛ تو تو نہ بول ظالم بوا آتی ہے
دکان سے ۛ وگہ ۛ چمن میں گل نے جو گل دعویٰ جمال کیا ۛ جمال

یار نے منہ اوسکا خوب الال کیا۔ مرزا سو دارج سے برابر ی کا تری گل نے
جب خیال کیا کہ صبا نے مار پھینڈا منڈا۔ کالال کیا۔ میرزا غائب نے
اپنے شعر میں دعویٰ یا برابر ی کا لفظ جذب کر دیا ہے تاکہ شعر میں وقت
واثر کال پیدا ہو اور جادہ خیال بندی کے مطابق ہو جائے۔

توفیق باز ازہمیت ازل ہے	اسلمکونین سے قطره کہ گوہر ہوا تھا
-------------------------	-----------------------------------

اس شعر میں معاصی اور خطیات پر شرمندگی و خجالت سے گریہ کرنے
اور رونے کی ترغیب تحریر دی ہے چنانچہ مولوی رومی رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں۔ آخر ہر گریہ ماخذہ ایت۔ مرد آخر میں مبارک
بندہ ایت۔ اور معہذا بلند ہمتی کی تعریف کی ہے۔ توفیق = اس لفظ
کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کسی شے کو کسی شے کے ساتھ مساوی بنادینا
اور اصطلاحی یہ معنی ہیں کہ اللہ جل شانہ اسباب نیوی کو مخلوقات
کی خواہش کے مطابق جمع کر دے یعنی جیسی تمنا ہو ویسے ہی سامان
فراہم ہو جائیں تاکہ اُن کی مراد بر آئے۔ اور یہ لفظ صرف امور خیر میں
مستعمل ہوتا ہے۔ مختصر معنی یہ ہیں کہ آرزو کے موافق سامان فراہم
ہونا۔ یہاں اصطلاحی معنی مراد ہیں ہمیت = غم اور فکر اور مجازاً ارادہ
بلند کو کہتے ہیں۔ یہاں مجازی معنی مراد ہیں۔ اس لفظ کے اور بھی
کئی معنی ہیں جو لغات کے دیکھنے سے معلوم ہوں گے۔ ازل = وہ
زمانہ جسکو ابتدا کہتے ہیں۔

دریائے سنک سے خشک

میر دامن بھی ابھی تر نہوا

یعنی میں ابھی گاہوں۔ سنک آبی = یہ لفظ مرکب ہے سنک اور آبی سے
 تنک: بختیں اور یہ کاف عربی ہے نہ فارسی۔ تنک کے معنی کم
 اور تھوڑا۔ اور یہ صاری ہے سنک آبی کے معنی کم آب ہونا۔ کم
 پانی والا ہونا۔ تھوڑا پانی رکھنے والا ہونا۔ سردامن = دامن کا کنارہ۔

جارتی تھی سداغ جلے سرحدی میل

آتشکدہ جاگیر سمندر نہوا مہتا

یعنی اُس سے پیشتر کہ آتشکدہ جاگیر سمندر ہو جاے میرے داغ جلے
 تحصیل جا رہی تھی یعنی میں آتش عشق میں بہت قدیم سے جل رہا ہوں۔ یہ
 بعد سمندر کو آتشکدہ کی جاگیر ملی ہے۔ اس شعر میں شاعر نے اپنی قدیم
 عاشقی کا ذکر کیا ہے۔ سمندر = ایک جانور کا نام ہے جو چوہے کی
 شکل کا ہوتا ہے اور آگ میں پیدا ہوتا ہے۔ اور آگ میں رہتا ہے۔
 جب آگ سے نکالا جائے تو مر جاتا ہے حضرت قبلہ گاہی مولانا
 والہ مرحوم فرماتے ہیں **س** روزالت وعہد بلا بود + آن دم کہ
 کردی اینما دل من +

شب و مجلس و ز خلوت تھا

رشتہ شمع خاکسوت فانوس تھا

یعنی شمع جال معشوق کے سامنے بے رونق ہو رہی تھی۔ اردو زبان میں

شمع مونث ہے نہ مذکر چنانچہ صبا کہتے ہیں: ۵ ہو ہے پیرا بنی الف کھان
 ۶ سحر ہو گئی شمع رخصت ہوئی ۷ ۵ = یعنی معشوق - شمع = موم ہی رشتہ شمع =
 موم ہی میں جو تا گا ہوتا ہے جس سے موم ہی جلتی ہے اسکو رشتہ شمع
 کہتے ہیں۔ شاعر نے اس رشتہ کو کاشا قرار دیا ہے۔ مگر کاشٹے کے معنے
 یہاں حقیقی نہیں ہیں بلکہ مجازی معنے مراد ہیں یعنی تکلیف و رحمت و آزار
 خار و پیرا اس بودن فارسی کا محاورہ ہے۔ شاعر نے اس محاورہ کو اس
 شعر میں برتا ہے۔ کسوت = بالکسر لباس اور پوشاک کو کہتے ہیں۔
 فانوس = عربی زبان کا لفظ ہے اردو میں یہ لفظ مونث ہے۔ چنانچہ
 برق کہتے ہیں۔ ۵ کیا تجلی میں کہوں اُس ساعد پر نور کی ۶ آستین
 یار ہے فانوس شمع طور کی ۶ فانوس کی شکل غبارہ سے شبیہ ہوتی ہے
 اور وہ شمع پر ڈھانک دیجاتی ہے تاکہ شمع ہوا سے نہ بجھے اور اُس کی
 تیز روشنی کا برا اثر آنکھوں پر نہ ہو کیونکہ فانوس میں سے جو روشنی چراغ
 کی نکلتی ہے وہ دھیمی ہوتی ہے۔ فانوس باریک کاغذ کا بنا ہوا ہوتا ہے
 اوپیلے اور مہینے کی طرح رنگ پارچہ سے بھی فانوس بناتے ہیں۔ فانوس
 کے حقیقی معنے غماز اور چغلیور کے ہیں مگر اس غبارہ و ش چیمز کو بھی جو شمع
 پر ڈھانکی جاتی ہے فانوس کہتے ہیں کیونکہ وہ چراغ کی روشنی کو نہیں
 چھپاتی گویا روشنی کی غمازی کرتی ہے جیسے چغلیور کی سیکی بات کو پوشیدہ
 نہیں رکھتا۔ اور یہ مجازی معنے میں فانوس کی شبیہ نفس کے ساتھ
 بھی دیجاتی ہے۔ فانوس کے جو مرکبات دیکھے گئے وہ یہی ہیں کہ فانوس

باضافت اور فانوس خیالی۔ و فانوس خیالی۔ اور فانوس نارنج اور فانوس
 شمع۔ فانوس گردان۔ بکاف فارسی وہ فانوس ہے جسکے اندر تھلک
 چخیرون کی شکل میں تماشے کے لئے بناتے ہیں۔ اور وہ تھلک میں فیکلے کے
 دیوین کے زور سے گردش کرتی ہیں اور فانوس خیالی بھی ایکو کہتے ہیں
 فارسی کا کوئی شاعر کیا خوب کہا ہے **س** دہر فانوس خیالی و عالمی
 یہ ان در اوہ دمان چون صورت فانوس سہ گردان در اوہ فانوس نارنج
 جی ایک کھیل اور تماشے کی فانوس ہے۔ نارنگی کو خالی کر دیتے ہیں
 اور باقی ماندہ چمکے کے اندر نقش نگار کرتے ہیں اور اس حالت کے
 چمک میں ایک چراغ روشن کر دیتے ہیں۔ فانوس شمع کا بیان اوپر مذکور
 ہو چکا۔ جاننا چاہئے کہ فانوس کا اس تہاں سن ہی روشنی کے زمانہ
 میں متروک ہے۔ **مجلس فروز** = ایسے مجلس کا روشن کرنے والا یعنی
 حاضر و موجود۔ مجلس فروز حاضر و موجود کی جگہ تظہار کہتے ہیں۔ خلوت =
 بالفتح تنہائی مگر یہاں گوشہ اور کنارہ کے معنی میں بقاعدہ مجاز مرسل یعنی
 استعمال حال بجائے محل۔ شعر کے معنی یہ ہیں کہ رات کو جو معشوق محفل میں
 موجود تھا تو رشتہ ہر شمع فانوس شمع کے لئے خار در پیراہن تھا مطلب یہ کہ
 ہمارے معشوق کے حسن و جمال کے روبرو تمام شمعیں بے رونق اور بے نور
 تھیں۔ حسن معشوق کی تعریف کی ہے۔ اسی مضمون کو خواجہ میر درد نے
 طرز سلیس میں اس طرح بیان فرمایا ہے **س** رات مجلس میں ترے حسن کے
 شمع کے حضور شمع کے منہ پہ چو دیکھا تو کہین نور تھا میز را غالب نے

اس مضمون کو پیچیدہ اور مشکل ترکیب میں بیان کر کے ناز کجیالی کی شان دکھائی ہے۔ شب کو اور مجلس فروز خلوت ناموس بود پر شستہ ہر شمع خاکستو فانوس بود۔ شعر ذرا سے تغیر میں پورا فارسی بن گیا۔

حاصل الفت دیکھا جبر شکست آرزو | دل بہ این یوستہ گویا یک لب فوس تھا

حاصل الفت نزدیک جبر شکست آرزو | دل بہ این یوستہ گویا یک لب فوس بود
شعر ذرا سے تغیر میں پورا فارسی بن گیا۔ فارسی کا شاعر تنقید چاہی اثر کرتا ہے
فلک از رشک نلکد از دجال خود دو ہدم را بہ سنگ از یکد گرسازد جدا
بادام تو ام را بہ ان دونون شعرون کا مضمون ایک ہے یعنی تفرقہ فی الاحباب کا
مضمون ہے مگر سیرایہ جدا جدا ہی اور دونون شعر لا جواب ہیں۔

کیا کہنوں کی غم کی سنو کی بیان | جو کہ کہا یا خون دل سنت کیہو سن تھا

کیہو سن بالفح بروزن محسوس۔ یہہ سربانی زبان کا لفظ ہے اور علم طبع کے
متعلق ہے جو چیز جگر اور عروق یعنی رگون میں تیار ہوتی ہے اسکو کیہو سن
کہتے ہیں اور وہ کف کے مانند ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ غم عشق میں
مجھکو جگر اور رگون کا احسان اٹھانا نہ پڑا کیونکہ میں نے کیہو سن جسکا تعلق
جگر اور عروق کے ساتھ ہے نہیں کہا بلکہ میں نے دل کا احسان اٹھایا
کیونکہ خون کہا یا جسکا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ چونکہ آدمی کے جسم میں دل
نسبت دوسرے اعضا کے زیادہ تر شریف ہے لہذا شاعر یہہ خیال

کرتا ہے کہ لکاح احسان اٹھانا بہتر ہے۔ کیوسے کے متعلق بعض اہل تحقیق
 کہتے ہیں کہ کیوسے اس صورت غذا کا نام ہے جو دوسرے طبع میں جگر
 میں پختی ہے اور وہ صاف شفاف پانی کی طرح ہوتی ہے۔ شکر کا غلابہ کہ
 کیوسے میں پختی کیا گیا۔ بلکہ خون کہا یا ہے منت کیوسے = یعنی منت بطحان
 کیوسے جو جگر اور غوثی میں اتنا عده نماز مرسل صحیح ہے یعنی استعمال ضرور
 بہت سے طرف۔ اس شعر میں قصیدہ کی شان ہے نہ غزل کی۔
 قرآنیت = قرآن سے معنی کی کہ بہت سی چیزوں کا احسان اٹھانا نہ پرا بلکہ صرف
 دل کا احسان اٹھایا۔

صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غور

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ ایک دیکھ

فارسی کا نثار کہتا ہے میرزا خانہ آئینہ شرار خون + این پری
 از سایہ خوشدگر قمار خون + یعنی یہ پری اپنے اوپر آپ عاشق ہوئی
 سبب کمال حسن و جمال کہ جو اسکو حاصل ہے۔ سایہ معنی بکس آئے ہے
 اس فارسی کے شعر سے یہ معلوم ہوا کہ ایسے مضمون کو فارسی کے شاعروں
 نے ہی لکھا ہے۔ در حقیقت اعلیٰ درجہ کا مضمون ہے۔ حسن کی
 تعریف اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ معشوق آپ ہی اپنا گرویدہ
 و دلدادہ ہو جائے۔ اپنا سا منہ لیکر رہ جانا = محاورہ ہے یعنی
 شرمندہ ہونا۔ سوال پورا ہونے کی شرم سے چپ ہونا۔ پشیمان ہونا
 دیکھ = یعنی دیکھ کر۔ حرف عطف یعنی کہ حذف کرنا اب متروک ہے

گنتا = یہاں اشارہ طرف زیادتی کے ہے۔ گنتا غور تھا یعنی بہت غور
تھا۔ پہ = پر کی جگہ یا ب مٹروک ہے۔

قاصد کو اپنے ماتھے سے گردن مارے | اُسکی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

قاصد کو = کو اضافی ہے یعنی فارسی کے رے اضافی کا ترجمہ ہے۔
قاصد را گردن یعنی گردن قاصد۔ قاصد کی گردن۔ فصاحت کے لئے
د کی کے مقام پر (کو) استعمال کیا ہے۔

جاتا ہوں داغ حسرت ہستی ہے | ہوں شمع کشتہ و زخم محفل نہیں ہا

جاتا ہوں = یعنی دنیا سے جاتا ہوں۔ داغ حسرت ہستی = داغ تمنای زندگی
داغ حسرت ہستی اس واسطے لئے ہوئے جاتا ہوں کہ مجھ کو دنیا میں جینے اور
زندہ رہنے کی تمنا ہتی مگر موت نے مہلت نہ دی اور اجل نے میرا کام م
کر دیا۔ دوسرے مصرع میں تمثیل ہے۔ ہوں شمع الجھنے شمع کشتہ
کے مثل ہوں لہذا محفل دنیا کے قابل نہ رہا۔ داغ غم و اندوہ۔ و زخم
لائق۔ قابل۔

برو شش جہت در آئینہ باز ہے | یان اتیارنا قصو کا مل نہیں ہا

شش جہت یہ ہیں (۱) مشرق (۲) مغرب (۳) شمال (۴) جنوب
(۵) فوق (۶) تحت۔

رشتہ کشا ہر کہ کا غیسے اخلاص	عقل کستی ہر کہ بے مہر کا آشنا
------------------------------	-------------------------------

یعنی وہ غیر کا بھی آشنا نہیں ہے۔ اخلاص۔ اولیٰ محبت۔

میں اور آفت کا ٹکڑا وہ دل وحشی کہ ہے	عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا
--------------------------------------	----------------------------------

صریح اول میں جو اور ہے وہ عطف لازم ہے۔ اور مصرع ثانی میں جو اور ہے وہ عطف مجرور ہے۔ یعنی ایک آفت کا ٹکڑا وہ دل وحشی جو عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا ہے میرے لئے لازم ہے۔

میں وہ کیون بہت بزم غیر میں یار	آج ہی ہوا منظور انکو امتحان اپنا
---------------------------------	----------------------------------

یعنی بزم غیر میں معشوق یہہ چاہتا ہے کہ میرا امتحان کرے۔ اور یہہ دریافت کرے کہ تنگ طرف کون ہے اور کون نہیں۔ لہذا معشوق نے بہت سی شراب پی لی تاکہ شرکائی عقل بھی اسکی ہمدی کرے کہ زیادہ شراب پیوین۔ مطلب یہہ کہ معشوق غالب کو تنگ طرف اور غیر کو عالی حوصلہ ثابت کیا چاہتا ہے امتحان میں۔ فی الحقیقت معشوق بغرض میرے امتحان کے اپنا امتحان کر رہا ہے۔ اور اس چال میں میرا امتحان منظور ہے۔

سرمفت نظر ہون کی قیمت یہ	کہ ہے ختم خریدار یہ احسان میرا
--------------------------	--------------------------------

سرمہ صوفی اور مفت اسکی صفت ہے اور یہہ مرکب تو صیفی یعنی سرمہ صفت

مضاف سے نظر کی طرف اور نظر مضاف الیہ ہے اور یہ اضافت شخصہ صیغہ
 ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں نظر کا سرمہ مفت ہوں۔ اور لفظ مفت کو بغیر اضافت
 کے بھی پڑھ سکتے ہیں اس طرح (مفت نظر) یعنی نظر مفت وارندہ۔ مفت نظر
 رکھنے والا (یا) نظر مفت دینے والا۔ اس صورت میں جو دوسری صورت ہے
 اس ترکیب کو بیدل اور ناصری اور غالب کے تراکیب میں سے ایک نئی
 ترکیب سمجھنا چاہئے اور سالم ترکیب مفت نظر کو جو بلا اضافت کے ہے
 سرمہ کی صفت قرار دینا چاہئے یعنی مفت نظر ایک علیحدہ ترکیب ہے
 یعنی میں ایسا سرمہ ہوں کہ مجھ میں نظر مفت بہری ہوئی ہے۔ جو شخص نکور
 مجھ کو اپنی آنکھ میں لگا لگا فوراً بینا ہو جائیگا بغیر اجرت اور قیمت دینے کے
 عیسوی صورت یہ ہے کہ میں سرمہ ہوں مانند نظر کے یعنی سرمہ تو ہوں
 مگر سراپا نگاہ ہوں اور نظر ہی نظر ہوں اور علاوہ بران مفت ملتا ہوں۔
 اس صورت میں یہ اضافت تشبیہی ہوئی اور وجہ شبہ سرمہ کی
 عمدگی اور قوت تاثیر ہے اور ادات تشبیہ کا حذف کرنا جائز ہے جیسے لب
 لعل چشم نرگس و دل غنچہ یعنی لب مانند لعل و چشم مانند نرگس اور دل
 مانند غنچہ اور وجہ شبہ سرخی و خوشنمائی و گرفتگی ہے۔ سرمہ مفت نظر ہوں باقتنا
 لفظ مفت کے یعنی سرمہ مفت مانند نظر ہوں۔ از رو سے معنی ان تینوں
 صورتوں کا حاصل یک ہے۔ صرف بیان کی نزاکتیں بتلانا مجھے منظور تھا۔

نزداد چشم بکسہ اسد انگاہ کا

بزم قدح عیش تمنائے کہہ رنگ

اس دامگاہ کا یعنی دامگاہ بزم قہج کا کیونکہ مرزا اس شعر میں بزم قہج کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس زمین مین مین نے اعلیٰ حضرت قہجی شواہد سے قدر قدر بندگاہ عالی متعالیٰ حضور پر نور سلطان دکن خلد اللہ ملکہ و سلسلہ عظمیٰ کی غزل بے بدل پر تقریب قہج دو غزل کہاتھا اور ایک غزل کے قطع میں میرزا کے اس مصرع کی تفسیر اس طرح کی تھی **غالب** نے خوب کہہ دیا واجد کہ رنگ رخ بہ صید ز دام بستہ ہے اس دامگاہ کا۔ اس تفسیر میں مین نے دامگاہ کے معنی بزم قہج کے ہی لئے مین۔ مرزا اس شعر میں بزم قہج کو دامگاہ سے استعارہ کیا ہے کیونکہ شراب کی لذت شراب پینے والوں کو اپنے دام میں گرفتار کر لیتی ہے۔

مقتل کو کشتا ط جاتا ہوں نہیں کہہ رہی | پُر گل خیال زخم سے اس نگاہ کا

مقتل = قتل گاہ۔ کشتا ط = خوشی۔ کہ = کامف و تمایل۔ یعنی کیونکہ۔ کس نشاط سے = یعنی بہت نشاط سے۔ بڑے نشاط کے ساتھ پُر گل پھولوں سے بہرہ سوا۔ یعنی جب میں مقتل کو جاتا ہوں تو خیال زخم کیونکہ میرے آنکھوں میں گلشن کی سیہ دکھائی دیتی ہے۔ مقتل و زخم لہو کی سبب سے سرخ ہوتے ہیں لہذا شاعر نے زخم کے خیال کو گلشن قرار دیا ہے کیونکہ گل کا رنگ بھی سرخ ہوتا ہے۔ پھولوں کو دامن میں لیتے ہیں لہذا خیال زخم کے پھولوں کے لئے نگاہ کا دامن تیار کیا ہے جو دو نون غیر مین

جان در ہوائے یک گرمی آسدا | پروانہ ہے کہاں تھی و خواہ کا

دیکھنے والے بیار اور دست بکار اور چشم براه اور گوش برآواز وغیرہ وغیرہ کیسی عمدہ
 اور دلکش ترکیبیں ہیں مگر یہ ایک ترکیب (جان در ہوا سے یک نگہ
 گرم) کس قدر لمبی چوڑی اور طول ہونے کی وجہ سے کس قدر طبیعت کو ناگوار
 گذرتی ہے۔ ایسے ہی ترکیبیں جنکی وجہ سے مرزا صاحب اور موسیٰ خان
 صاحب ہدف اعتراض پہلوانان سخن کے بجاتے ہیں۔ صرف منتخبہ اور
 چھوٹے سے باب الالف میں میرزا صاحب کے ایجاد کردہ اتنے
 ترکیب موجود ہیں (۱) یک بیابان ماندگی (۲) نشاط آہنگ (۳) یک
 شہر آرزو (۴) رستخیز اندازہ (۵) یک قدم حشت (۶) دو عالم دشت (۷)
 وحشت خرامی (۸) جنون جولان (۹) بخون غلطیدہ صدرنگ (۱۰) یک
 عریضہ میدان (۱۱) یک عمر و سرع (۱۲) درشنگی مردگان (۱۳) فریب
 وفا خوردگان (۱۴) سامان طراز نازش (۱۵) میخانہ نیزنگ (۱۶) مفت
 نظر (۱۷) خود داری ساحل (۱۸) حریف جوشش دریا (۱۹) طاقت آشوب
 آگہی (۲۰) حیرت کدہ شوخی ناز (۲۱) یک الف پیش نیت (۲۲)
 صور سخاۃ خمیازہ (۲۳) محارثہ کلامی (۲۴) خمیازہ ساحل (۲۵)
 جادہ راہ فتاد (۲۶) بیک کف بردن صدر (۲۷) انداز بخون غلطیدہ
 بسل (۲۸) برق سوز دل (۲۹) موج سراب دشت وفا (۳۰) دیوانگی
 شوق (۳۱) ہر قدم سایہ (۳۲) سبق شوق (۳۳) جان در ہوائے
 یک نگہ گرم۔ الفصحی منتخبہ اور چھوٹے سے باب الالف میں یہ
 (۳۳) مرکبات و ترکیب آگئے ہیں جو ایران کی فارسی میں ہرگز مستعمل

نہیں ہیں اور جب تک ان ترکیبوں کے اسناد اہل لسان کے کلام کے اندر
 نہیں ہیں تب تک ان کو صحیح جاننا اور اپنی نظم و شعر میں ان کا استعمال کرنا محض
 قلت تتبع اور خود پسندی و عدم تحقیق سے ہو گا۔ فارسی کے اہل لسان
 ان ترکیب کو سنکر پوچھتے ہیں کہ ان کی زبان اس قدر اور کتنے میں کہ انیکہ
 زبان فارسی نیت حاصل کلام الفاظ کا ایجاد کرنا اور محاوروں کا اختراع
 عمدہ بات ہے مگر اہل لسان کو زیادہ تر سنراوار ہے اگر غیر ملکی حضرات فارسی کا
 کے زعم پر غیر زبان میں اختراعات کرنا چاہیں تو یہ بات ممکن ہے مگر اسکے
 لئے ذوق سلیم ضرور ہے اور حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
 و قدس اللہ سرہ کی تقلید بہتر ہے کیونکہ کئی اہل لسان کو آپسے نزاع و خلاف
 نہیں اور میرزا بیدل اور شیخ ناصر علی کے اختراعات کو اہل لسان ہرگز پسند
 نہیں کرتے اسکی وجہ خاص صرف اتنی ہے کہ ان دونوں صاحبوں کے
 اختراعات ذوق سلیم اور جاوہ مستقیم سے باہر ہیں بلکہ رکیک و طویل و پُر
 تصنع و غیر فصیح و اضافت و اضافت و صفت و صفت و تراکیب مقلوبہ
 بلا وجہ موجب کثرت سے ہو کر تے ہیں یہی وجوہات ہیں کہ ان صاحبوں کے
 اختراعات مقبول خاص و عام نہیں ہوئے بلکہ چند لوگ اُن کے رواج
 دینے پر تعصب و نفسانیت سے ہٹ دہری اور بیجا اصرار کرتے رہے
 جس میں اُن کو انجام کارنا کامی حاصل ہوئی قاعدہ فارسی کے لحاظ سے
 نشاط آہنگ کے معنی قصد نشاط و ازندہ یا ارادہ نشاط کنندہ کے
 ہو سکتے ہیں مگر میرزا نے اپنے شعر میں اس ترکیب کے کچھ عجیب معنی

لئے ہیں یعنی خوشی کی الاپ رکھنے والا حالانکہ غمی کی کوئی الاپ
 نہیں ہوتی پھر خوشی کی الاپ چہ معنی دارد اگر غمی کی الاپ ہو اور اسکے
 مقابلے پر اور اسکی ضد میں خوشی کی الاپ کہا جائے تو ترکیب مربوط
 و چسپان ہوگی کیونکہ الاپ کو غم سے کوئی تعلق نہیں مرزا نے اس ترکیب
 کے جو معنی لئے ہیں وہ کبھی اہل سان کے پاس مقبول و پسندیدہ
 ہو نہیں سکتے دیگر وحشت خرامی - خراسیدن کے معنی ناز سے چلنے
 اور ٹھلنے کے میں وحشت کو خرام سے کیا تعلق لہذا یہ ترکیب ہی غیر مربوط
 ہے وحق علیٰ ہذا القیاس کہاں تک لکھ سکتا ہوں اسکے لئے
 تو ایک دفتر ضخیم و عظیم بلکہ دفتر وہ من درکار ہے صرف میں نے ترکیب
 لکھ دی ہے میں سمجھنے والے سمجھ میں اور محفوظ ہوں میرے استاد شفیق و عجم
 معظم مولوی حکیم عبدالباسط صاحب المتخلص بہ عشق مرحوم و مغفور فرمایا
 کرتے تھے کہ میرزا غالب کو شاعری میں طبع خدا داد حاصل تھی اور وہ علی
 درجہ کے شاعر تھے مگر میرزا صاحب کو علم و فضل نہیں تھا اس واسطے
 میرزا شاہم ہے کہ میرزا صاحب کی شاعری پر کوئی صاحب نگشت اعتراض
 نہیں رکھ سکتے کیونکہ ان کا شاعرانہ خیال بالکل چھوٹا اور موثر اور ناخوش
 ہے مگر طرز خیال بندہ اور اختراع ترکیب فی الحقیقت عام طور پر بلا تخصیص
 نخل انداز اور قابل اعتراض بلکہ لائق اصلاح ہے۔ میرزا صاحب کے
 تصنیفات فارسی وارد و خصوصاً تصنیفات فارسی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے
 کہ اس قسم کی سیکڑوں ترکیبیں اپنی رائے اور طبیعت سے انہوں نے ایجاد کی ہیں

جنکا نتیجہ یہ ہے کہ گوہ کندن و کاہ براؤرن اور اہل سان اور وہ فصحاے
 بلاغت شعرا جو اہل سان کے مقلد اور پیرو میں اُن ترکیب کو دیکھ کر مہمل اور
 بے معنی کہا کرتے ہیں اور ایسے ترکیب کا غیر مانوس طبیعت ہونا تو ایک
 قطعی و یقینی بات ہے۔ مومن خان صاحب کا بھی یہی حال ہے۔ ان
 صاحبوں کی استاد می میں کوئی کلام نہیں بلکہ خداوندان سخن میں مگر جو
 عیب ہے وہ عیب ہے اور جو نہر ہے وہ نہر ہے۔ ان صاحبوں کا کلام جی
 اور بری ترکیبوں کا مجموعہ ہے۔ جو کلام اچھا ہے وہ لاجواب ہے۔ خاص
 و عام کے دلون پر جا دو کا کام کرتا ہے اور جو ترکیب اسالیب ہٹ
 دھرمی اور خود پسندی سے بنائے گئے ہیں وہ کہیں اور کسی وقت میں فصحاے
 سان بلکہ اہل سان کے پاس مقبول ہو نہیں سکتے بلکہ ہمیشہ وہاں سے
 بے معنی و جفنک کا خطاب ملا کرتا ہے۔ مرزا صاحب کتاب عود و ہندی
 میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں نے ہر ایک ترکیب اہل سان سے اخذ
 کی ہے مگر اُن کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے چنانچہ دیکھئے مرزا خج آہنگ کے
 ایک رقبہ میں لکھتے ہیں فرود آمدن جا سے من در کلکتہ بھینڈی
 بازار راست۔ یعنی فرود گاہ من در کلکتہ بھینڈی بازار راست۔ اہل سان
 یا منترل کہیں گے یا فرود گاہ کہیں گے مگر منترل کی جگہ میں اتنا لمبا چوڑا
 لفظ اور وہ ہی مقلوب ترکیب یعنی فرود آمدن جا ہرگز نہ کہیں گے
 اگر کسی شخص کو اس ترکیب کی صحت کا دعویٰ ہو تو ہلکو یہ ترکیب
 اہل سان کے کلام میں دکھا دے۔ اور فرود آمدن جا کی رکاکت ظاہر ہے

کوئی فصیح آدمی اس نطق کو فرو و گاہ یا منزل کی جگہ کہہ نہیں سکتا اور یکدم
 وحشت اور دو عالم دشت اور یک بیابان ماندگی اور یک زانو تامل اور یک
 شہر آرزو اور استیغیر اندازہ اور نشاط آہنگ و وحشت خرامی وغیرہ وغیرہ سب
 ترکیب ہندیوں اور خصوصاً خیال بندوں کے بنائے ہوئے ہیں اور اہل سان
 ان ترکیبوں کے موجود نہیں ہیں اور قلم و ایران میں ان ترکیبوں کو اور ان
 سغون کو کوئی نہیں جانتا کیونکہ یہ اُن کی زبان نہیں ہے لہذا اہل
 لسان جب ان ترکیبوں کو سنتے ہیں تو یہ بوجہ چہتے ہیں کہ این کلام زبان
 اور کہتے ہیں کہ این زبان فارسی نیست ۛ ایجاد اور تلاش اور ترشحش تو
 اچھی چیزیں ہیں مگر مقبول اور معقول اور پسندیدہ تلاش و ترشح آسان
 نہیں ہے اور ایک دو شخصوں سے یہ کام ہونہیں سکتا بلکہ اس کام کے لئے
 اہل علم کے مجالس اور اتفاق آرا اور مجاورہ کی پابندی اور لغت کی نگہداشت
 اور ترکیب کی خوش وضعی اور قبولیت خاص و عام ضروری چیزیں ہیں۔
 اسد = مبتدا اور جان در ہوا می یک نگہ گرم اسکی خبر اور ہے رابطہ
 پروانہ چرخ پر گر کے جلجاتا اور فنا ہو جاتا ہے۔ جب تیرے داخواہ
 کے وکیل کی حالت پروانہ کی طرح ہے تو خاص تیرے داخواہ کا
 حال کیا کہنا وہ تو تیری ایک نگاہ میں فنا ہو جاتا ہے۔۔۔ جہاں تو نے
 ایک نگاہ کی بس اسکا کام تمام ہو گیا۔ جان در ہوا سے یک نگہ گرم اہل لسان
 کی ترکیب نہیں ہے اور اس ترکیب کے صحیح ہونے میں بہت کچھ تامل ہے
 اور یہ ترکیب بسبب اپنی طوالت و طول لا طائل کے نہایت درجہ کی

غیر فصیح و رک کیا ہے۔ ہوا کے معنی یہاں آرزو اور خواہش کے ہیں۔

جور سے باز آئے پر باز آئین کیا | کہتے ہیں ہم تجھ کو نہ کہلائین کیا

پیر۔ یعنی مگر بمعنی استثنا۔ باز آئین کیا مقولہ معشوق کا ہے۔ جور سے باز آئے یعنی جور سے معشوق باز آیا۔ جور سے وہ باز آئے۔ یا ہم باز آئے اس صورت میں سالم مصرع معشوق کا مقولہ ہو گا۔ اس غزل میں کیا ردیف اور کہلائین۔ گھبرائین وغیرہ قافیہ ہے۔ دو نو مصرعون میں کیا نفی کی واسطے آیا ہے۔

رات دن گروش میں ہیں بات آسمان | ہو میگا کچھ نہ کچھ گھبرائین کیا

یعنی مفلسی میں گھبرانا نچا ہے بلکہ صبر کرنا چاہئے۔ کیا عمدہ فلسفیانہ مضمون ہے۔ سات عدد اور آسمان عدد دو ہے۔ اردو میں معدود اکثر جمع آتا ہے مگر کبھی واحد ہی آتا ہے اور آسمان ایسا لفظ ہے جو واحد اور جمع دونوں میں مستعمل ہے۔ کیا = نفی کی واسطے ہے۔ کیا گھبرائین یعنی نہ گھبرائین۔ گھبرانا نچا ہے۔

لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھیں گے | جب کچھ بھی تو دہو کا کہائین کیا

لاگ = دشمنی۔ عداوت۔ لگاؤ = محبت دوستی۔ دہو کا کہانا = یعنی فریب کہانا۔ کیا = نفی کیلئے ہے یعنی دہو کا نہ کہائین۔

ہولے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ	یار اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
--------------------------------	--------------------------------

کیا استفہام کے لئے ہے۔ نامہ بر۔ یعنی قاصد۔

موجِ خون سے گزریں سچا	آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا
-----------------------	-----------------------------

کیا نفی کے لئے ہے یعنی ہم آستانِ یار سے نہ اٹھیں گے اگرچہ موجِ خون ہمارے سر سے گزر جائے۔

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ	مر گئے پر دیکھے دکھلائیں کیا
-------------------------------	------------------------------

عمر بھر = تمام عمر۔ راہ دیکھنا۔ انتظار کرنا۔ مر گئے پر۔ یعنی مرنے کے بعد کیا۔ استفہام کے لئے ہے یعنی دیکھے کیا دکھلائیں گے۔ قائل اپنے کو شخص غیر قرار دیکر پوچھتا ہے۔

بوجھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے	کوئی تباہ و کہ ہم تباہ ہیں کیا
------------------------------	--------------------------------

کہ = دونو مصرعون میں بیان کے لئے ہے۔ اور مصرع ثانی میں کاف تردید بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی کوئی تباہ و یا ہم تباہ ہیں کیا۔ استفہام کے لئے ہے۔

لطافتِ بے کثافت چاہو پیدائش نہیں سکتی	چمنِ نگار سے آئینہ باد بہاری کا
---------------------------------------	---------------------------------

باد بہاری کو بسبب لطافت کے آئینہ فولادی قرار دیا ہے۔ چونکہ آئینہ فولادی ہے

زنگ آتا ہے اور زنگ سبز زنگ ہوتا ہے لہذا چمن کو جو باغبان برگ اشجار کے سبز ہوتا ہے آئینہ باد بہار ہی کا زنگ مقرر کیا ہے اور چونکہ باد بہار لطیف چیز ہے اور بمقابلہ اس کے برگ اشجار کثیف شے ہے لہذا یہ نتیجہ نکالا کہ لطافت بغیر کثافت کے حاصل ہو نہیں سکتی۔ مطلب یہ کہ جیسے دنیا میں غم و شادی تو امین اس طرح لطافت و کثافت کا حال ہے اور وہ ہی تو امین - جلوہ پیدا کرنا = ظاہر ہونا - وجود میں آنا۔

حریف جوشش دریا نہیں دریا ساحل | جہان قی ہو باطل ہی دریا جوشش کا

ساقی کو دریا سے حواج سے اور جوشش دریا کو ساحل سے تشبیہ دی ہے۔ اور کہتا ہے کہ جب دریا ہی حواج خوب لغیا فی کرے تو ساحل پانی میں غرق ہو جاتا ہے اس طرح جہان ساقی ہو اور وہ ناز و انداز سے خوب بادہ پیمائی کرے تو وہاں لوگ شراب پی پی کرست و بیہوش ہو جاتے ہیں اور جوشش دریا باقی رہنیں رہتی لہذا ساقی کے مقام پر جوشش دریا کا دھجی غلط ہے۔ ساقی کی بے تکلفی و ناز و انداز کو دریا (ساقی کے حسن و جمال روز افزون کو جوشش دریا قرار دیا ہے۔ کیونکہ جب ساقی کو دریا قرار دیا ہے تو ساقی میں جوشش دریا کیا چیز ہوگی۔ ؟ دریا میں جوشش دریا پانی ہے۔ اور ساقی میں ساقی کی جوشش ناز و انداز یا حسن و جمال یا سخاوت و کریمی ہوگی۔ مگر اس شعر میں یہ بات بھی ممکن ہے کہ ساقی کو جوشش دریا کے ساتھ تشبیہ سیجاسے یعنی جہان جوشش دریا ہو می و مان ساحل غرق آب ہو گیا اس طرح جہان

ساتی ہو او مان ہوشیاری غائب ہو گئی۔ دونوں معنوں کا حاصل ایک ہے اور بلحاظ ان معنوں کے (تو) حرف رابطہ ہو گا۔ اور اس شعر میں (تو) ضمیر واحد حاضر بھی صحیح ہے یعنی اسے معشوق جہان تو ساتی ہو اور جس جگہ تو ساتی گری کرے الخ۔

عشرتِ قطر ہے دریا میں فنا ہو جانا	درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
-----------------------------------	-----------------------------------

اس شعر میں علمِ قضا کا مشہور مسئلہ باندھا ہے۔ کہ راحت فنا فی اللہ ہو نہیں ہے قطرہ تمثیلِ انسان اور دریا تمثیلِ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ جب درد اپنی حد سے گزر گیا تو دوا کا رگر اور موثر نہ ہو ہی اور جب دوا موثر نہ ہو تو میض ہلاک ہو گیا۔ اب قائل نے ہلاک ہو جانے کو دوا ہو جانا قرار دیا ہے کیونکہ مریض کا مقصود تو ہلاکی کی تھانہ صحت و تندرستی۔ اور مریض فنا کو شفا اسوجہ سے خیال کرتا ہے کہ فنا فی اللہ کا درجہ اُسکو حاصل ہوتا ہے۔ جو اُسکا عینِ مطلوب ہے حاصل یہ کہ عشرتِ انسان کی فنا فی اللہ ہو جائیں۔

تجسسِ قسمت میں ہی صورتِ فعلِ بجد	تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا
----------------------------------	-------------------------------------

صورتِ فعلِ بجد = یعنی فعلِ بجد کی مانند فعلِ ابجد کی طرح۔ اس شعر میں بات کے بنتے سے وصل کی بات بننا مراد ہے۔ اور قائل کا مقصود یہ ہے کہ جب وصل کی بات بنگلی تو میں معشوق سے جدا ہو گیا جو میرے لئے کمال تیرہ بختی اور نہایت بد قسمتی ہے۔

دل ہو کشمکش چارہ رحمت میں تمام مٹ گیا گیسے میں این عقدہ کا دوا ہونا

چونکہ عقدہ چھوٹی چیز ہوتی ہے لہذا گیسے سے مٹ جاتی ہے۔ جب مٹ گئی تو اس کا وجود نہ رہا تو یا دوا ہو گئی۔ شاعر نے عقدہ کے مٹ جانے کو دوا ہونا یعنی کہلنا قرار دیا ہے۔ دل کو عقدہ کے ساتھ تھپہ ہے۔ دل مشابہہ عقدہ مشابہہ۔ رحمت سے وہ رحمت دل مراد ہے جو فراق یا رکیو جہ سے یا عشق کے سبب سے تھی۔ تمام ہوتا۔ مرجانا مصرع ثانی میں دل کی تمثیل ہے عقدہ کے ساتھ۔ عقدہ۔ یعنی گرہ۔ شعر کا مطلب ظاہر ہے یعنی ہمارا دل رحمت عشق کی تدبیر اور چارہ گری میں مصروف ہوا۔ مگر اس چارہ گری میں ہمارے دل کو کچھ ایسی کشمکش اور کشاکش ہوئی کہ چارہ دل خود ہلاک ہو گیا۔ تو معلوم ہوا کہ دل ایک گرہ کی مانند تھا اور کشمکش چارہ گیسے کے ساتھ مشابہت رکھتی تھی اسی لئے دل کشمکش میں معدوم ہو گیا اور جب دل معدوم ہو گیا یعنی مٹ گیا تو یا چارہ گری میں کامیاب ہوا اور تدبیر کر چکا گرہ کی مانند کہ جب گیسے میں مٹ گئی تو گویا کھل گئی۔ اور مٹ جانا ہی مطلوب تھا کیونکہ ہم گرہ کو کہہ رہے تھے۔ جب گرہ مٹ گئی تو دوا ہو گئی اور مقصود حاصل ہو گیا اس شعر کا مصرع ثانی یعنی مصرع مٹ گیا گیسے میں اس عقدہ کا دوا ہونا۔ مطلع کے مصرع ثانی کے ساتھ یعنی مصرع درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہونا۔ ملتا ہوا ہے اور دونوں مصرعون کا مضمون قریب قریب واقع ہوا ہے۔ دوا ہونا۔ کہل جانا۔ کشادہ ہو جانا۔ والکرنا۔

اسکا متعدی ہے۔

اب جفا بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ اس قدر دشمن باب و فاجہ جانا

ایسا۔ یعنی زمانہ موجودہ میں۔ جفا = ظلم و ستم۔ محروم = حرمان زدہ
 ہے نصیب۔ اشارہ = اس مقام پر تجب و تیسر کی واسطے آیا ہے۔
 بھی = شرکت کی واسطے آتا ہے۔ اس قدر = یہاں اشارہ طرف زیادتی
 اور افزونی کے ہے یہ لفظ معذرا و راندازہ بنانے کے لئے آتا ہے اور اتنا
 کا مترادف ہے ارباب و وفا = وفا کے پالنے والے یعنی عاشقان صادق۔
 ارباب کا واحد رب ہے دشمن = یہ لفظ دُش اور من سے مرکب ہے۔ دُش
 کے معنی بُرا اور زشت آئے ہیں اور من بمعنی دل آیا ہے۔ جو شخص دل زشت
 رکھتا ہو اُس کو دشمن کہتے ہیں۔ دشمن یعنی بدل و بدخواہ اور ایک
 دوسرے کی ضد۔ یہ لفظوں کے معنی ہوئے مگر یہاں زیادہ تر قابل ذکر
 یہ بات ہے کہ مرزا کا یہ شعر نظیری نیشا پوری رحم کے اس شعر سے ملتا ہوا ہے
 بلکہ ماخوذ ہے ۛ شمع بے شعلہ بہ پروانہ فرستاد آن دوست ۛ کہ بانام
 روان کرد و عتابے نہ نوشت ۛ اور موسوی خان فطرت رحم فرماتے ہیں
 ۛ در تمنا سے جفاے خویش کشتن صید را ۛ اختراع فہرانی کا ہے
 صیا و من است ۛ یعنی معشوق جفا بھی نہیں کرتا ہے۔ اور معشوق نے
 اس لئے ترک جفا کی ہے کہ عاشقان صادق کو جفا ہی معشوق میں بھی
 مزہ آتا ہے۔ کیونکہ جفا بھی ہے تو اُسی کی جفا ہے اور اپنے محبوب کی طرف سے ہے

بس اسی ایک نسبت سے عاشقان صادق عین جور و جفا میں فرسے اوڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم یہی اُن کی جفا کے سزاوار ہوئے جب معشوق جفا پیشہ کو یہ بات معلوم ہو گئی تو اُس نے جفا کرنا ہی ترک کر دیا۔

ضعف سے گریہ منبذل دم ہوا | باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہونا

جب تک ہکوطاقت اور قوت تھی تب تک ہم روتے تھے اور گریہ کرتے تھے جب ہماری قوت اور طاقت جاتی رہی اور ضعف و ناتوانی آگئی تو اب ہم ٹھنڈی آہیں کرنے لگے۔ اس شعر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رونے کیلئے طاقت چاہئے اور ضعف کی حالت میں آہ کرتے ہیں۔ دم۔ بمعنی آہ اور ہر اس کی صفت ہے حکما جو کہتے ہیں کہ پانی ہوا بنکر اُڑ جاتا ہے تو ہکوا اپنی اس حالت سے یعنی زوال گریہ و عروج آہ سے باور آیا یعنی یہ بات صحیح ہے ظاہر ہے کہ گریہ پانی اور آہ ہوا ہوتی ہے۔

دل سے ٹٹا تری انگشتِ خانی خیال | ہو گیا گوشے سے ناخن کی جلد ہونا

ٹٹا = محو ہونا۔ زائل ہونا۔ انگشتِ خانی = خانی میں جو دریا ہے یہ یہاں سے نسبتی ہے۔ انگشتِ خانی یعنی خاوا لی انگشت۔ وہ انگشت جو ہندی کے رنگ سے سرخ ہو۔ اس شعر میں انگشت کے معنی ہاتھ اور پنجہ کے ہیں از روی قاعدہ مجاز مرسل یعنی استعمال جزو بجای کل درست ہے خیال = بالکسر تصور و گمان۔ اس لفظ کی حرکت میں اختلاف ہے اکثر احباب

لغت لکھتے ہیں کہ بالفتح ہے مگر فارسی واسے بالکسر لکھتے ہیں۔ اور قوت متحیدہ کو بھی خیال کہتے ہیں۔ جدا ہو جانا علیحدہ ہو جانا۔ الگ ہو جانا۔

میں مجھے بہار میں کس کر کھلنا روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا

ابر بہار میں = بہار میں جو (یا) ہے یہ یا ی نسبتی ہے۔ مجھے = یعنی میرے لئے۔ روتے روتے = اسمِ حالیہ ہے۔ مزانے اس ایک چوٹی سی غزل میں فنا ہو جانا کا مضمون تین جگہ باندھا ہے (۱) عشرتِ قطر ہے وریا میں فنا ہو جانا (۲) دل ہوا کشمکشِ چارہ رحمت میں تمام (۳) روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا۔ شعر سے قدیم ایک ہی غزل میں تکرارِ مضمون اور تکرارِ قافیہ کو ناجائز جانتے تھے مگر متاخرین کے پاس جائز ہے۔ بلکہ ایک مضمون کو کئی طرح سے ادا کرنا اور ایک قافیہ کو کئی طور سے باندھنا خواہ ایک غزل میں ہو خواہ متعدد غزلوں میں ہو مگر تازہ اور عمدہ اسلوب ہو تو اسکو کمال سمجھتے ہیں۔

گر نہیں نگہت گل کو تیرے کوچہ کی سوچ کیوں ہے گردہ جو ان صبا ہو جانا

یعنی نگہت گل کو تیرے کوچہ میں آنے کی ہوس ہے۔ اس شعر میں کوچہ معشوق کی تعریف و توصیف ہے یعنی کوچہ معشوق ایسا معطر و معبر و غیرت گستانِ شک و باغ و بوستان ہے کہ نگہت گل کو بھی وہاں آنی کی ہوس لگی ہو ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ نگہت گل نہایت لطیف اور مفرح چیز ہے جسے شائق ہیں۔

دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا جانا

ما کہ تجہ پر کہلے اعجاز ہوا حقیقت

یعنی صفائے باطن سے آدمی کو سرسبزی اور نجاتِ آخرت حاصل ہوتی ہے
یہاں حقیقت کے مجازی معنی یعنی صفائی باطن مراد ہیں۔ کہلے = کہلے
نظارہ ہووے اور یہہ لفظ آئینہ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ آئینہ کشادہ
اور کہلا ہوا ہوتا ہے۔ لفظ ہوا اور برسات اور سبز صنعتِ مراعات الہیہ ہے
یہاں ہوا بمعنی آرزو و تمنا آیا ہے اور حقیقی معنوں کے لحاظ سے برسات
ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ آئینہ فولادی کا سردی سے رنگ بستہ ہو جانا
ایک معمولی بات ہے۔ اسکو فرا صاحب نے جو اعجاز کہا ہے یہ محفلِ تامل
ہے کیونکہ اعجاز کی تعریف یہ نہیں ہے۔

چشم کو چاہے ہر رنگ میں رہ جانا

بہشتی جلوہ گل و قشاق شاہِ لب

جب چشم ہر رنگ میں رہا ہو جائیگی تو اسکو وحدۃ الوجود کا نظارہ حاصل ہوگا
اور ہر رنگ میں اسی کو یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کو دیکھے گی۔ یہ علم تصوف
کے جنطیات میں جو شریعتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دینِ آسمانی
کے برخلاف ہیں اور ہمہ اوست کا مسئلہ شریعتِ عرانی محمدی علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے پاس نامقبول ہے منصور اور سرد کا قصہ مشہور ہے کہ یہ دونوں
انہیں لغویات کی وجہ سے صاحبانِ شریعت کے حکم اور فتوے سے قتل ہوئے
غالب = منادی یعنی اسے غالب۔ بخشے ہے = اب متروک ہے
اسکی جلوہ میں بخشا ہے یا بخش گیا کہتے ہیں۔ وہاں جانا = کہل جانا۔

مرزا صاحب نے آنکھ کی جگہ چشم اسوجہ سے کہا ہے کہ اُن کی طبیعت زبان فارسی کی دلدلادہ ہے اور دوسری وجہ خاص یہ ہے کہ اس مقام چشم کا لفظ بہ نسبت آنکھ کے زیادہ تر خوشنام معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں لفظ چشم پر زور دیا گیا ہے تاکہ اس کے معنی پیدا ہو۔ تے ہیں اور یہ موقع تاکید کا ہے بہر حال یہاں آنکھ سے لفظ چشم بہتر ہے کیونکہ فصاحت و جدانی امر ہے اور یہاں لفظ چشم کا استعمال مقتضائے فصاحت ہے۔

بیاں

خاتمة الطبع از نظر مصنف

الحمد للہ تعالیٰ کہ اس شرح کا پہلا حصہ ختم ہوا اور میری کوشش اور میرے مال سے مطبع فخر نظامی واقع حیدر آباد دکن میں چھپ گیا۔ امید ہے کہ اسکے دوسرے دو حصے بھی بہت جلد شائع ہوں گے مگر صرف میری کوشش اور میرا مال کہاں تک بکتفی ہو سکتا ہے۔ جب تک امرے ذی عزت اور حکام با فخر و مرتبت توجہ مکرین امید نہیں کہ دوسرے حصے شائع ہو سکیں کیونکہ فارسیوں کا قول ہے ۵ مراتب تجربہ معلوم شد پس از سی سال کہ قدر مرد بعلم است و قدر علم بال + بہر حال دوسرے حصوں کو چھپانے میں خاکسار سعی کریگا کیونکہ اس کام میں زبان اُردو اور شعر و سخن کی

ترقی مقصود ہے اور خیال بندی کی پیچیدگیان پہلک پر منکشف ہوتی ہیں
 میں تبدیل اور ناصر علی اور شوکت اور جلال اسیر اور ظہوری اور
 غالب اور مومن کا بدل محقق ہوں مگر اُن کے اختراعات ہیجا
 اور خیالات سرور گم سے نہایت متنفر ہوں اور اس باب میں فضائی ہل
 لسان کا مقلد و مقتدی ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس مختصر شرح کو بقامی
 دوام اور قبولیت خاص و عام عطا کرے اور فتنہ پردازوں کے شر و فساد
 سے محفوظ رکھے۔ آمین آمین۔

نوٹ از طرف مصنف

میں نے اس شرح کو بطور ضمیمہ کے لکھنا شروع کیا تھا مگر جب لکھنے بیٹھا
 تو میرے ذہن میں پست و بلند اور رطب و یابس مضامین اس کثرت سے
 آگئے اور صفحہ کا قدر لکھے گئے کہ صرف باب الالف کا حجم آٹھ جڑوں سے
 زیادہ ہو گیا۔ چونکہ ضمیمہ بہ نسبت اصل کتاب کے چھوٹا ہونا چاہئے تھا
 لہذا میں نے اس شرح کو ایک علیحدہ شرح قرار دیا ہے مگر اس کو
 واثوق صراحت کے ساتھ پورا تعلق حاصل ہے۔ یہ سمجھ لیجئے
 کہ غیر مکمل شرح کو میں نے مکمل کر دیا ہے۔ ناظرین سے
 امید ہے کہ میری تحریر میں کہیں کوئی غلطی یا نین گے تو براہ کرم چشم
 پوشی فرمائیں گے کیونکہ فارسی کا دانشور کہتا ہے  پوش
 گز خطائے رسمی طعنہ مزاج نہ کہ ہیچ نفس شر خالی از خطا نبود۔

اس کے دوسرے حصے بشرطِ قدر دانی گورنمنٹ شایع ہوں گے فقط

والسلام خیر الختام

غزل زبان فارسی طبع از مصنف این شرح فرزند حضرت امام حمزہ

حسن و خوبی را چو آن شک فہمی پرورد
زلف پر چین تو در چین شور و شرمی پرورد
رہے پر نور تو انوارِ بحر می پرورد
بوسہ ہنگام آن لب شیرین شکر می پرورد
دل کہ خود را از رہے نیست ترمی پرورد
پاک طینت را دے لے لے ترمی پرورد
دیدہ من اشکبار و سینہ تو پیر غبار
شا دو بیغم دارد اورا گریہ لے عاشقان
عاشقان دانند کا ندرد و خود عشق کسے
باز گرد جان ما گر بید آن گل سوے ما
گر تومی آوردی آنز جای بولودی چہ خوب
بسکہ درد و غم غذای عاشقان شد در ازل
عمر تان با واد از و جاہ تان با د بلند
بسکہ در خون می تپد ہر دم ز آواز خوش

عشق و الفت را ز من داغ جگر می پرورد
طرہ شوریدہ سوداے دگر می پرورد
زلف مشکین تو شب تار یکتر می پرورد
وان دمان غنچہ سان مشک ترمی پرورد
نالہ ماراد مہم چون نوحہ گری پرورد
بوالہوس را فزہی ما تازہ ترمی پرورد
راست میگویم کہ ہر یک بحر و بر می پرورد
آہے آن ہر و روان چشم ترمی پرورد
داغ دل درد جگر ضعف بصر می پرورد
عاشقان جان طلبے آن نظر می پرورد
اے صبا جان مرا آن خاک در می پرورد
از و فور رشک جانم نامہ برے پرورد
یاد تان اے نالہ ما جان جگر می پرورد
گوئیا اندر دل من نیست ترمی پرورد

۲۰
این غزل در شاخہ غیب
را صد غنچہ
خانہ بوم

حضرت پرواز تا افرون کنند در کش
 شوق دل کردست پایم را سیر سیر آبله
 طرّف تر سحریت لے یاران تا شاگردنی
 نیز طبعان را بهر جا قدر و منزلت پیش است
 بے سیر جبار و از فاقه من بخت است
 نے عجب گر سیر بندم ساز و از لطف عیم
 کو چہات را کو چہ آئینہ نامی خوشتر است
 سنگ جو را می محبت بر شان من بشیار است
 راہ استدلال بگذار تو خواہی عافیت
 است کار استان آوردن مضبوط خوش
 میر محبوب علی خان شاعران ہر را
 ہم رعایا و بریاد علوم و ہم فنون
 فیض بخشی عطا و الملک از من پس

آن شکاری صید خود را بال پر می پرورد
 خار ماے راہ را این را سیر می پرورد
 و و جبال سخت یک کس گرمی پرورد
 سنگ و رخ و زان نہان را شتر می پرورد
 با خبر داند کہ آدم را سیر می پرورد
 آن خداوندیکہ اینجا خیر و شر را پرورد
 زانکہ عکس حسن تو دیوار در دی پرورد
 کا نذر اینجا شیشہ مارا شیشہ گری پرورد
 اسے بہادزدان بد این بگذر می پرورد
 زانکہ شیرینی و شکر نیشکر سے پرورد
 بیشتر از بیشتر از بیشتر سے پرورد
 بیشک این شاہ نکوی داد گرمی پرورد
 اہل علم و خاندان را بے خطری پرورد

طرز گفتار تو و اجد تو دہ مای عشق را
 انسرین صد آنسرین بس مختصر می پرورد

خلد اللہ ملکہ و دولتہ -

علیجناب فیض آب آنر بل نواب غلام محمد بہادر مولوی سید حسین صاحب بلگرامی ناظم تعلیمات
 و پریوٹ سکریٹری علیحضرت حضور نظام الم قبالہ ۱۱ و اجد غنی عنہ

تعلیمات علاقہ حیدرآباد دکن کے نام حضرت المرحوم اپنی صدارت کے زمانے میں لکھے تھے اور دوسرے حصہ میں زعمات ہیں۔ دونوں حصوں کی مجموعی ضخامت انیس جزیروں پر کلام وہی اہل سان کا تتبع اور اعلیٰ درجہ کی صاف و فصیح و دلکش انشا پر دازی ہے محاورہ بندی اور صنائع لفظی معنوی کا خوشنما استعمال حضرت المرحوم کی خاص طرز ہے۔ حضرت المرحوم روز مرہ ایران کے دلدادہ تھے۔ اہل سان اس کلام کے گردیدہ اور بے انتہا شائقین میں قیمت ہر دو حصہ دور پیہ (عال) سکہ حالی یا عیسر سکہ کلدار۔

اس کتاب کا حصہ اول دوم ایک ایک پیہ سکہ حالی میں علیحدہ علیحدہ ہی دستیاب کیا جاسکتا ہے یہ انشا فارسی کے شایقوں اور طالب علموں کے لئے کمال مفید ہے۔

و لائق صراحت۔ زبان اردو مرزا غالب بلوئی کے اردو دیوان کی ایک چھوٹی سی مختصر شے ہے جو کہ مستبصر مصنف کی تصنیف ہے لہذا معتبر کتاب ہے بہت ہی شعار کی شے نہایت عمدگی کیا تہہ بہ نظر پیر لکھی ہے اور مرزا کے کلام کے اکثر نکات و دقائق کو اچھی طرح سے کہوا ہے۔ لفظوں کے معنی قابل دید ہیں اور ہر ایک فقرہ مشترک کام دیتا ہے۔ اس کا صحت نامہ بھی چھپایا ہے قیمت مع ضمیمہ (مصنف) منسبتہر عیال سکہ حالی یا عال سکہ کلدار ضخامت مع ضمیمہ صحت نامہ (۲۴) جزیروں۔ کل تصنیفات کا مجموعہ لڑاکاں قیمتوں کے علاوہ۔ درخواست تہر کے نام ذیل کے پتے پر آنی چاہئے فقط نوٹ۔ تصنیفات حضرت المرحوم بغرض فروخت چھپوائے گئے ہیں جن صاحبوں کو ان کتابوں سے فیض یاب ہونا منظور ہو وہ قیمت دیکر تہر کے پاس سے کتابیں حاصل کر سکتے ہیں فقط واجد غنی عنہ

المشہر محمد عبدالواحد غنی عنہ و آجد فارسی مدرس سٹی ہائی اسکول ساکن محلہ اندرون دیوارہ چادر گھاٹ قریب سبیل الماس بلکہ حیدرآباد دکن

اطلاع

و ثوق صراحت اور وجدان تحقیق کے جملہ حقوق

محفوظ ہیں۔ کوئی صاحب ان کتابوں کو بغیر پیری

اجازت کے نہیں چھپوا سکتے۔ اور کوئی مضمون ان کتابوں

اخذ و انتخاب کر کے علیحدہ کتاب بھی مرتب

نہیں کر سکتے مان جس قدر نسخے مطلوب ہوں شہر کے

پاس سے ہر سال قیمت طلب کر سکتے ہیں فقط

الراحم محمد عبدالواجد عفی عنہ و آحاد

فرزند حضرت والہ مرحوم